ایصال ثواب کے 25 طریقے

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا (76/19)

اور باقی رہنے والی نیک باتوں کا تیرے رب کے یہاں سب سے بہتر ثواب اور بھلا انجام

مرتب:

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

(بانی خانقاہ قادریہ رضویہ مجیدیہ)

ناشر: بزم خانقاہ قادریہ رضویہ مجیدیہ کراچی۔ پاکستان

ایصالِ ثواب کے 25 طریقے (کامل)

(بحوالہ رسالہ)

نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب

(1354ھ)

رسالہ نگار:

مفتی مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ

(1303ھ-1382ھ)

ماخوذ: نافع البشر فی فتاویٰ ظفر

المعروف فتاویٰ ملک العلماء (2005ء)

کتاب الحظر والاباحۃ (ص320-421)

مرتبہ اعزازی:

نبیرۂ ملک العلماء ڈاکٹر طارق مختار ابن پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین

(شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا)

ناشر: المجمع الرضوی، بریلی شریف

(2005ء/1426ھ)

نام کتاب	....	ایصالِ ثواب کے 25 طریقے (کامل)
مرتبہ	....	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
اصل رسالہ	....	نصرۃ الاصحاب باقسام ایصالِ الثواب
رسالہ نگار	....	مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی
سالِ طباعت	....	2018ء / 1440ھ
تعداد	....	1000
صفحات	....	208
قیمت	....	=/300 روپے

﴿تقسیم کاران کتاب﴾

1۔ بزم خانقاہ قادریہ، رضویہ، مجیدیہ۔
الکوثر 1/50-C، بلاک، A-1، گلستان جوہر، کراچی۔

E.mail: majeedgeol_pk@yahoo.com

Mobile: 0322-2175095. PTCL: 021-34021657

2۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔
25 جاپان مینشن، ریگل چوک، صدر، کراچی۔

فون: 32725150-21-92+، فیکس: 32732369-21-92+

ای۔ میل: imamahmadraza@gmail.com، ویب: /http://imamahmadraza.net

ناشر

بزم خانقاہ قادریہ، رضویہ، مجیدیہ

قل وفاتحہ

درود ابراہیمی

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیمَ
وَعَلٰی آلِ إِبْرَاھِیمَ إِنَّكَ حَمِیدٌ مَجِیدٌ
اللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ، وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیمَ
وَعَلٰی آلِ إِبْرَاھِیمَ إِنَّكَ حَمِیدٌ مَجِیدٌ

سورۃ فاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۲ مٰلِكِ یَوْمِ
الدِّیْنِ ۝۳ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝۴ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِیْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝۷

سورۃ اخلاص

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ یَلِدْ ۙ۬ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ
یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

درودِ غوثیہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

الصلوٰۃ والسلام علیك یا سیدی یا رسول اللّٰہ

دعائے میّت

دعا مانگو کہ اس میت کو حق جل علا بخشے
طفیل حضرت احمد محمد مصطفٰے بخشے

گیا ملک عدم میں جو واپس آنہیں سکتا
کوئی انسان جو جانا چاہے داں تک جانہیں سکتا
مگر اعمال خیر اس کے لیے پہنچانا جو چاہے
پہنچ جاتے ہیں وہ بے شک کوئی لوٹا نہیں سکتا

بڑا خوش بخت ہے وہ جس پہ خالق کی عنایت ہو
کہ وہ خوشنود ہو اور جس پہ اس کی خاص رحمت ہو
بڑا خوش بخت ہے وہ جس کی داں پر ہو قبر روشن
ہو خیر اس کے لیے جاری جو موتا کو مسّرت ہو

نہ بھولو مرنے والے کو کہ مرنا سب کو ہے آخر
فنا کے گھاٹ سے اک دن گزرنا سب کو ہے آخر
یہ اونچے اونچے محلوں سے اترنا سب کو ہے آخر
لحد کے جو گڑھے ہیں ان کا بھرنا سب کو ہے آخر

بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں خدا بخشے
جو عمداً اور سہواً ہوگئی ہو کچھ خطا خدا بخشے
طفیل اپنے حبیب پاک کے اور کل صحابہ کے
غنؔی سائیں اب اس مرحوم کو رب علا بخشے

دعا مانگو کہ اس میت کو حق جل علا بخشے
طفیل حضرت احمد محمد مصطفٰے بخشے

کلام: حضرت صوفی سائیں عبدالغنی القادری قلندری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 1938ء) خلیفہ مجاز حضرت مولانا گل حسن شاہ قلندری قادری پانی پتی۔ (ماخوذ رسالہ قصائد و دعائے میت)

ایصالِ ثواب برائے 25 اساتذہ کرام

وصیت اعظم:

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تلمیذ قاضی ابو یوسف کو وصیت نامہ میں ایک یہ وصیت بھی لکھی تھی۔

(ہمیشہ اپنے ان اساتذہ کے لیے ایصالِ ثواب کرتے رہنا جن سے تم نے علم حاصل کیا) فقیر اپنی اس کاوش کے اجر کو اپنے 25 اساتذہ کرام کو ہدیہ کرتا ہے:

(1)۔ پیر و مرشد حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری بریلوی ابن (2)۔ امام احمد رضا خاں سنی محمدی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی۔ (3)۔ شیخ حمید اللہ قادری رضوی حشمتی، (4)۔ مولانا عبد الوکیل قادری رضوی کانپوری، (5)۔ شیخ مفتی تقدس علی خاں حامدی بریلوی، (6)۔ مولانا الحاج محمد شفیع قادری حامدی، (7)۔ مفتی شیخ نصر اللہ خاں افغانی قادری، (8)۔ صاحبزادہ علم الدین قادری علمی، (9)۔ مولانا غلام رسول کشمیری قادری رضوی، (10)۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی، (11)۔ علامہ شمس الحسن شمس صدیقی بریلوی، (12)۔ علامہ سید ریاست علی قادری بریلوی، (13)۔ علامہ سید سعادت علی قادری، (14)۔ علامہ مولانا محمد حسن حقانی اشرفی، (15)۔ مولانا محمد شاہد رضا حشمتی، (16)۔ مولانا عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی، (17)۔ مولانا ارشد القادری، (18)۔ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی، (19)۔ مولانا مفتی محمد ظفر علی نعمانی امجدی، (20)۔ مولانا مفتی فیض احمد اویسی بہاولپوری، (21)۔ مولانا مفتی مراتب علی شاہ قادری، (22)۔ مولانا مفتی عبد القیوم قادری ہزاروی، (23)۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی بریلوی، (24)۔ مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی قادری حامدی، (25)۔ شیخ محمد شفیق اللہ مراد آبادی۔ (رحمہم اللہ علیہم اجمعین)

(احقر مجید اللہ قادری)

فہرست

حرف اوّل

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ۔ (کہ ہر نفس (انسان) نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے)

موت کے ذائقے کے بعد جس کا ذائقہ صرف وہی جانتا ہے جو اس کو چکھتا ہے اس کو اس کی آخری آرام گاہ یعنی قبرستان میں اس جگہ پہنچا دیا جاتا ہے جس مٹی سے اس کا جسم بنا تھا اور اس کی روح کو فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلیٰ علیین کے کسی مقام میں پہنچا دیتے ہیں اور اگر وہ کافر یا مشرک ہوا تو اس کی روح کو سجین کے کسی گڑھے میں دھنسا دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی تدفین کا سلسلہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے سے جاری ہے۔ ابتداً میں مسلمان بغیر جنازے کے دفنائے گئے مگر جب نماز جنازہ کا شریعت محمدی میں اجراُ ہوا تو اب قیامت تک مسلمانوں کا جنازہ پڑھا جاتا رہیگا۔ نمازِ جنازہ میت کے لیے پہلا ایصالِ ثواب ہے جو دوسروں کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسلمان کی نزاعی کیفیت سے لے کر اس کے انتقال، اس کی کفن دفن، نمازِ جنازہ اور اس کے بعد قبر میں اُتارے جانے تک کہ تمام مراحل میں ہماری رہنمائی فرمائی۔ اس کے بعد صحابہ کرام کے زمانے کے خاص کر خلفائے راشدین کے 30 سالہ دور میں جن صحابہ و صحابیات کا انتقال ہوا ان کے جنازے اور بعد کے معاملات بھی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین کے زمانے کے 200 سالہ تجہیز و تدفین کے سینکڑوں واقعات کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان ہزاروں لاکھوں واقعات اور سینکڑوں کتابوں میں درج احادیث کے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو سینکڑوں طریقے سامنے آئیں گے جن سے ہمارے اسلاف

نے اپنے مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب کیا۔ دورِ حاضر میں مروجہ مذہبی تقریبات جو میت کے گھر میں سوئم، دسواں اور چالیسواں یا چہلم کے نام سے کی جاتی ہیں ان سب میں اسلاف کے بتائے ہوئے متعدد طریقوں سے ایصالِ ثواب کیے جاتے ہیں۔

خانقاہ قادریہ رضویہ مجیدیہ کے روح رواں حضرت پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری مدظلہ العالی نے امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے تلمیذ خاص اور خلیفہ اجل حضرت مولانا مفتی شاہ محمد ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ سے ایک رسالے **"نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب"** کا انتخاب کیا جس میں حضرت نے ایصال ثواب سے متعلق 4 سوالوں کا تفصیل سے جواب دیا۔ اس پورے رسالے میں حضرت ظفر الدین قادری علیہ الرحمۃ نے کئی قرآنی آیات اور متعدد احادیث اور سینکڑوں اصحاب رسول کے اقوال کو جو ایصال ثواب سے متعلق تھے ان کو جمع کر کے ایصال ثواب کے 25 طریقے بتائے۔ حضرت پروفیسر صاحب نے اپنی اس تالیف کا نام "ایصالِ ثواب کے 25 طریقے" رکھ کر اس کو شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اس کو ایک کتابی شکل دی اس کتاب کو بزم خانقاہ قادریہ رضویہ مجیدیہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے یقیناً ایصال ثواب سے متعلق کئی رسائل پڑھے ہوں گے کئی فتاویٰ بھی دیکھے ہوں گے اور علماء کرام سے اس موضوع پر تقاریر بھی سنی ہوں گی اور متعدد جنازوں میں بھی شریک ہوئے ہوں گے اور ہر جنازے میں آپ کو میت کے ساتھ لوگوں کے مختلف معاملات دیکھنے کو ملے ہوں گے وہ سب جو آپ نے دیکھے یا سنے ہوں گے اس کتاب میں آپ کو ان کی حقیقت کا اندازہ ہو گا۔ ایصالِ ثواب کے یہ طریقے اس

کتاب میں 25 عنوانات کے تحت بنائے گئے ہیں جو یقیناً حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا متعدد کتب حدیث و اقوال اصحاب کے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔

قارئین کرام کو یہ بتا تا چلوں کہ ہماری خانقاہ کے روح رواں حضرت پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب اپنے خاندان یا اہلِ حلقہ کے جنازے میں تدفین کے وقت ان 25 طریقوں میں سے کم از کم 15 تو ضرور ادا کرتے ہیں اور جنازے کے ساتھ 2 سے 3 گھنٹے تک قبرستان میں رہتے ہیں اس دوران مسلسل ذکر اذکار کرتے رہتے ہیں تاکہ میت کا دل قبر سے مانوس ہو جائے۔ حضرت نے اپنی ایک تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ لوگوں اپنے ساتھ قبر میں لے جانے کے لیے آخرت کی پوٹلی بنالو جس میں آپ کا شجرہ ہو، عہد نامہ ہو، زم زم ہو، خاک شفا، اور کسی بھی بزرگ کا دیا ہوا کوئی تبرک ہو وغیرہ وغیرہ اور زندگی میں کم از کم 70000 دفعہ کلمہ طیبہ پڑھ کر محفوظ رکھیں انشاء اللہ پوٹلی کے یہ تبرکات اور کلمہ طیبہ کا ورد قبر میں ضرور کام آئیں گے۔

ہم اپنی بزم کی جانب سے ان تمام مالی معاونین کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا بندوبست کیا ساتھ ہی ڈاکٹر مہربان باروی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس کتاب کی عربی پروف ریڈنگ فرمائی اور مولانا مقصود حسین اویسی صاحب کا جنہوں نے اس کتاب کی اردو پروف ریڈنگ کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

خادم خانقاہ قادریہ، رضویہ، مجیدیہ

صاحبزادہ انجینئر محمد موسیٰ رضا قادری

1440ھ / 2018ء

مقدمہ

از: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں مسلمانوں کو ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ"

(سورہ الحشر، آیت 10)

اے رب ہمارے ہمیں بخشدے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔۔۔۔اسی طرح نام بنام لے کر بھی دعائے مغفرت کرنے کا سلیقہ سکھایا۔

"رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ"

(سورہ ابراہیم، آیت 41)

اے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہو گا۔

اللہ عزوجل نے نبی پاک ﷺ کو سب سے پہلے حکم دیا کہ اپنے مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت چاہو۔

"وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ"

(سورہ محمد، آیت 19)

اور (اے محبوب) اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔۔۔۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہمارے گناہوں کو بخشوانے والے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم از اول تا ظاہری زندگی کے آخری لمحات تک ہماری بخشش کی عمومی دعائے مغفرت فرماتے رہے جو یقیناً اللہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت پا چکیں مگر حضور ﷺ کے مشاغل میں کئی واقعات ہیں جس میں

آپ نے قبر پر کھڑے ہو کر دعا فرمائی بعض کی قبر پر کھجور کی شاخ گاڑھ دی کہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا رہے گا صحابہ کرام کی خوش بختی کہ آپ ﷺ ان کی میت کے ساتھ قبرستان جاتے اور اپنے ہاتھ سے دفن فرماتے ان کو سراپا رحمت کی رحمتیں اسی لمحہ بخشوالیتی ہونگی۔ بعد زمانہ مصطفیٰ ﷺ کے سراپا رحمت کی سنتیں ہم کو بخشوالیتی ہیں۔ ہمارے اسلاف نے مرنے والوں کو ایصالِ ثواب کے مختلف طریقے سنت رسول اور آثار صحابہ سے اکھٹا کر کے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی تا کہ ان کو یہ امید بندھی رہے کہ ہمارے گنہگار بھائیوں اور بہنوں کو اللہ عزوجل ہماری طرف سے بھیجے گئے نیک اعمال (مثلاً تلاوت قرآن، اسماء الحسنیٰ کا ورد، درود پاک، نفلی نماز وروزہ، خیرات، مساجد کی تعمیرات میں اعانت وغیرہ وغیرہ۔) کو قبول فرما کر انہیں بخش دے گا اس سلسلے میں ہمارے اسلاف نے ہر زمانے میں کتب تصنیف فرمائی ہیں جو مسلمانوں کی رہنمائی کرتی رہیں۔

نبی کریم ﷺ کے متعدد ارشادات میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے میت کو ثواب اور فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح نباتات جو اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں ان کے ذکر سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ملاحظہ کریں صحاح ستہ کی مشہور حدیث جس کے راوی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں:

انہوں نے کہا کہ گزرے رسول اللہ ﷺ مکہ یا مدینہ کے باغوں میں سے کسی باغ میں تو دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ان کی قبر پر عذاب ہو رہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب قبر ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات کے باعث یہ عذاب نہیں ہو رہا ہے جس سے بچنا مشکل ہو۔ پھر فرمایا ان میں ایک اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا کہ ان کی چھینٹوں سے بچتا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ پھر کھجور کی ایک تازہ شاخ منگوائی اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر

قبر پر ایک ایک شاخ کو گاڑھ دیا۔ صحابہ نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا فرمایا تا کہ دونوں کو عذاب قبر سے تخفیف ہو جب تک یہ دونوں شاخیں تر یا گیلی رہیں گی۔"

ایصال ثواب سے متعلق فی زمانہ ایک گروہ سختی سے منع کرتا ہے اور اس کو بدعت قرار دیتا ہے یہاں تک کہ مرنے والے کے گھر سوم یا چالیسویں یا برسی کے موقع پر قرآن خوانی تک کو بدعت قرار دے کر مسلمانوں کو اللہ کے کلام کو پڑھنے سے روکتا ہے اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ مرنے والا مر گیا اس کے لیے تمام عمل کے راستے بند ہو گئے بس جو عمل وہ خود کر کے اپنے ساتھ لے گیا اس سے تو اس کو فائدہ پہنچتا ہے ہمارے کسی عمل کرنے سے یہاں تک کہ قرآن پڑھنے سے بھی اس مردے کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا اس لیے یہ عمل معاذ اللہ عبث ہیں دوسرے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ان کو مزید بے وقوف بناتے ہیں کہ صحابہ کرام نے کب کس کے لیے سوم، چالیسواں کیا تھا لہٰذا یہ سب بدعات ہیں۔

قارئین کرام! راقم یہاں صرف ایک دلیل آپ کے سامنے پیش کرے گا جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں دیا اور حکم یہ ہے کہ مسلمان کی نمازہ جنازہ پڑھی جائے۔ چنانچہ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط

(سورۃ التوبۃ، آیت 103)

ان کی نماز جنازہ پڑھو تا کہ ان کو سکون حاصل ہو۔

تفسیر ابن عباس میں حضرت عبد اللہ ابن عباس کا قول اس آیت سے متعلق موجود ہے آپ لکھتے ہیں:

"ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے"۔

قارئین کرام! نمازِ جنازہ مردے کے ایصالِ ثواب کے لیے زندہ لوگ پڑھتے ہیں اور یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے متعدد صحابہ و

صحابیات کی نمازہ جنازہ پڑھائیں اور صحابہ کرام کی جماعت نے پڑھیں۔ کیا اللہ عزوجل کے رسول نے یہ کام عبث کیا؟ کیا ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ مرنے والا مرگیا اب اس کو ہمارے کسی عمل سے فائدہ نہیں پہنچے گا۔ نبی کریم ﷺ تو اس وقت تک ابو طالب کے انتقال کے بعد ان کی مغفرت کی دعا کرتے رہے جب تک کہ اللہ عزوجل کی طرف سے مزید استغفار کی ممانعت نہ ہوگئی۔ مرنے والے کے لیے نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر متعدد طریقہ کار سے ایصال ثواب کرنے کا نہ صرف حکم دیا بلکہ آپ کے متعدد اعمال احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں اس کے بعد صحابہ کرام کے اقوال اور اعمال سے کتب احادیث مالا مال ہیں کاش اعتراض کرنے والے احادیث کا بغور مطالعہ کرلیتے تو شاید ان کو سمجھ آجاتی مگر جن کے دلوں پر اللہ عزوجل مہر لگادے ان کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں سمجھا سکتی الحمدللہ 14 سو سالوں سے صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر زمانے میں ہمارے اسلاف نے دین کی تمام باتوں کو اور اعمال کو عام لوگوں کے لئے آسان الفاظوں میں لکھ کر ہم تک پہنچایا اور ہر زمانے کے علما و مشائخ نے عمل کر کے ہم کو سکھایا ان ہی میں ایصالِ ثواب کے طریقہ کار بھی ہیں۔

پچھلی صدی میں برصغیر پاک و ہند میں امام احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قلم سب میں بلند رہا آپ نے ایک دو نہیں، سینکڑوں تصانیف میں اور اپنے ہزاروں فتاویٰ میں ایصالِ ثواب کے موضوعات پر قلمی رشحات کے ذریعہ امت مسلمہ کو سنبھالے رکھا۔ یہاں آپ کے قلمبند کئے ہوئے چند رسائل کے نام لکھ رہا ہوں موقع ملے تو ضرور مطالعہ کریں جس میں سینکڑوں احادیث اور قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ایصالِ ثواب کے حوالے سے تفصیلات لکھی ہیں:

(1)۔ ایتان الارواح لدیارھم بعد الروح (1321ھ)

موت کے بعد روحوں کا اپنے گھروں میں آنا

(2)۔الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ (1337ھ)
سجدہ تعظیم کی حرمت
(3)۔النھی الحاجزعن تکرار صلاۃ الجنائز(1315ھ)
نماز جنازہ کی تکرار ناجائز ہونے کا بیان
(4)۔اھلاك الوھابیین علی توھین قبور المسلمین (1322ھ)
قبور مسلمین سے متعلق احکامات
(5)۔ایذان الاجرفی اذان القبر (1307ھ)
تدفین کے بعد قبر پر اذان دینا
(6)۔بذل الجوائزعلی الدعاء بعد صلاۃ الجنائز (1311ھ)
نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت اور منکرین کا رد

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں اپنے کثیر تلامذہ اور خلفاء میں سے چند کو اپنی تربیت میں رکھ کر نہ صرف ان کو عالم با عمل بنایا بلکہ عالم بہ قلم بھی بنایا اور اپنی قلمی رشحات کا وارث بھی، ان میں سر فہرست نام ملک العلماء مولانا مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جن کی پیدائش 1303ھ / 1880ء کو بہار میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ غوثیہ موضع بین ضلع پٹنہ سے حاصل کی اس کے بعد عظیم آباد میں قائم مدرسہ حنفیہ میں تعلیم حاصل کی جس کو امام احمد رضا کے خلیفہ قاضی عبد الوحید فردوسی (م1326ھ) نے قائم کیا تھا۔ کچھ عرصے کے لیے اس مدرسہ میں جب محدث اعظم ہند حضرت مولانا شاہ وصی احمد سورتی دورہ حدیث کرانے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے ان سے احادیث کی کئی کتب پڑھیں۔

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ جب واپس پیلی بھیت تشریف لے گئے تو آپ بھی تکمیل حدیث کے لیے ان کے ساتھ ان کے قائم کردہ مدرسہ پیلی

بھیت تشریف لے گئے اور ساتھ ہی ساتھ مولانا احمد حسن کانپوری خلیفہ اعلیٰ حضرت سے بھی چند درسی کتب پڑھیں۔ مولانا ظفر الدین کی جب مولانا سورتی کے مدرسہ میں اعلیٰ حضرت سے پہلی ملاقات ہوئی تو آپ بہت متاثر ہوئے اور مولانا احمد رضا کی بارگاہ میں پہنچے اور اپنی دینی تعلیم کی تکمیل کی خواہش کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اگر آپ باقاعدہ مدرسہ قائم فرمالیں تو کئی طالب علم آپ سے استفادہ کر سکیں گے چنانچہ آپ کے اسرار کرنے پر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے 1322ھ / 1904ء میں "مدرسہ منظر اسلام" قائم فرمایا جس کے ابتدائی دو طالب علموں میں مولانا ظفر الدین کے ساتھ ساتھ مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی شامل تھے ان دونوں ہونہار طالب علموں کو 1325ھ میں سند فراغت عطا کی گئی ساتھ ہی ان دونوں تلامذہ کو سند خلافت واجازت بھی دی گئی۔

حضرت علامہ مولانا ارشاد احمد رضوی جو قلمی دنیا میں ساحل شہسرامی (علیگ) کے نام سے مشہور ہیں انھوں نے ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری پر ایک مبسوط سوانح حیات بعنوان "ملک العلماء" لکھی تھی جس کو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے 2006ء میں شائع کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔ اس کتاب میں مصنف نے ملک العلماء کی حیات وخدمات پر تفصیل سے تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ مولانا ظفر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ پر پہلا مبسوط تذکرہ ہے۔ مصنف نے ملک العلماء کی علمی اور قلمی خدمات کا بھرپور احاطہ کیا ہے راقم اس کتاب کے چیدہ چیدہ اقتباسات اختصار سے پیش کرنا چاہے گا تا کہ قارئین کو آپ کی علمی قابلیت سے آگاہی ہو۔ جو شخص امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وسعتوں کا عکس دیکھنا چاہے تو وہ مولانا ظفر الدین کی تصانیف کا مطالعہ کر کے امام احمد رضا کی علمی وسعتوں کا اندازہ کر سکتا ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے اس ہونہار طالب علم کو کیا کیا پڑھایا ملاحظہ کریں:

"اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ملک العلماء کو بخاری شریف کا درس دیا، فتاویٰ نویسی کے اسرار سکھائے، ریاضی، ہیت، توقیت، جفر اور تکسیر جیسے پیچیدہ علوم کی تعلیم دی، رسالہ اقلیدس کے 6 مقالے، تصریح، شرح چغمینی بھی پڑھائی اور فن تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے "عوارف المعارف" اور رسالہ "قشیریہ" کا درس دیا۔ (ساحل شہسرامی، "ملک العلماء"، ص36، مطبوعہ کراچی، 2006ء)

حضرت علامہ ساحل شہسرامی نے مولانا ظفر الدین قادری کے فنی کمالات کا تفصیل سے اپنی تصنیف میں ذکر کیا ہے اس کے اہم نکات ملاحظہ کریں:

ملک العلماء ایک باعمل عالم دین اور کئی نادر فنون میں مہارت رکھنے والے فرد امت تھے۔ میں یہاں صرف ہیئت و توقیت اور جفر و تکسیر میں ان کی فنی مہارت کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں۔ ہیت و توقیت میں ملک العلماء قدس سرہٗ العزیز کو خاص مہارت حاصل تھی اور اس فن نے آپ کو زیادہ شہرت بھی عطا کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے جن افراد کو اس فن کے بنیادی اصول سکھائے ان میں آپ کی شخصیت نمایاں ہے۔ اس فن میں آپ کے توسط سے اعلیٰ حضرت کا علمی فیض آئندہ نسلوں تک پہنچا ہے۔ مولانا ظفر الدین نے اس فن میں 4 کتابیں تصنیف فرمائیں: (۱)۔ توضیح التوقیت، (۲)۔ موذن الاوقات، (۳)۔توضیح الافلاک، (۴)۔ مشرقی (عنایت اللہ مشرقی) کا غلط مسلک کافی شہرت رکھتی ہیں۔

مولانا ظفر الدین بہاری اپنی تصنیف حیات اعلیٰ حضرت میں امام احمد رضا کی علم توقیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ہیت و نجوم میں کمال کے ساتھ ساتھ علم توقیت میں کمال تو حد ایجاد کے درجہ پر تھا یعنی اگر اس فن کا موجد کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ علماء نے جستہ جستہ اس کو مختلف مقامات پر لکھا ہے لیکن میرے علم میں کوئی مستقل کتاب اس فن میں نہ تھی اس لیے جب میں نے اور میرے ساتھیوں نے اس فن کو حاصل کرنا

شروع کیا تو کوئی کتاب اس فن کی نہ تھی جس کو ہم لوگ پڑھتے اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت خود ہی اس کے قواعد زبانی ارشاد فرماتے اس کو ہم لوگ لکھ لیتے اور اس کے مطابق عمل کر کے اوقات نصف النہار، طلوع وغروب، صبح صادق عشاء ضحوی کبریٰ اور عصر نکالتے۔ میں نے ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر کے پوری توضیح وتشریح کے ساتھ مع مثال اس کو ایک رسالہ بنام "الجواھر والیواقیت فی علم التوقیت" معروف بہ توضیح التوقیت رکھا۔

(مولانا ظفر الدین، حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص 227)

علم تکسیر وجفر میں بھی اعلیٰ حضرت کی قابلیت مجتہدانہ بصیرت کی حامل تھی اس نادر فن کو بھی مولانا ظفر الدین نے اعلیٰ حضرت سے سیکھا اور اپنے ہم عصروں میں انفرادی مقام حاصل کیا۔ علم تکسیر میں نقوش لکھنے یعنی ان کے خانے بھرنے کے طریقے ہوتے ہیں ان مربع اور مثلث کو کس طرح کتنی چالوں سے بھرا جاتا ہے یہ ہر کسی کے سمجھنے کی بات نہیں اور اس کے ماہرین ہر زمانے میں بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اس پر مکمل مہارت رکھتے ہیں مولانا ظفر الدین کو امام احمد رضا نے ان نقوش کی چالوں کو بھرنے کے 1152 طریقے بتائے تھے اس سلسلے میں مولانا ظفر الدین ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس کو اختصار سے یہاں بیان کر رہا ہوں:

"عرصے کی بات ہے ایک شاہ صاحب "مدرسہ اسلامیہ شمس الھدیٰ" سے تشریف لائے اور فن تکسیر کا ذکر کیا۔ مدرسہ کے مدرس مولانا مقبول احمد خاں نے ان سے کہا کہ میرے مدرسہ میں بھی ایک مدرس مولانا ظفر الدین ہیں وہ بھی فن تکسیر جانتے ہیں۔ ان کو بہت حیرت ہوئی وہ تو سمجھتے تھے کہ بس وہی علم تکسیر جاننے والے ہیں، بولے کہ ان سے میری ملاقات کرا دیجئے۔ ملاقات کا وقت مقرر ہوا جب ملاقات ہوئی تو شاہ صاحب نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب کو بھی فن تکسیر کا علم ہے۔ میں نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ جناب مربع کتنے طریقے سے

بھرتے ہیں۔ بہت فخریہ فرمایا16 طریقے سے میں نے کہا بس اس پر فرمایا اور آپ، میں نے کہا1152 طریقے سے بولے سچ۔ کہا میرے سامنے بھر سکتے ہیں میں نے کہا ضرور بلکہ میں نے بھر رکھے ہیں ہے آپ میرے ساتھ دریاپور چلیں وہاں دکھادوں گا پھر پوچھا یہ فن کس سے سیکھا میں نے کہا اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت سے وہ چونکہ اعلیٰ حضرت کے معتقد تھے نام سن کر ان کو یقین آگیا مگر پوچھا کہ خود اعلیٰ حضرت کتنے طریقے جانتے ہیں میں نے کہا2300 طریقے سے بھرتے ہیں مجھ سے کہا کہ وہ سب آپ نے کیوں نہ سیکھے میں نے کہا وہ تو علم کے دریا ہی نہیں سمندر ہیں جس فن کا ذکر آجائے ایسی گفتگو فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر اسی علم کو دیکھا اور اس کی کتب بینی فرمائی ہے ان کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کر سکتا ہوں۔

(مولانا ظفر الدین قادری بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، 278)

مولانا ظفر الدین قادری رضوی بہاری رحمۃ اللہ علیہ پر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو خود بھی بڑا ناز تھا اور اکثر اہم مقامات پر آپ کو اپنی جگہ بھیجا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو فتاویٰ نویسی کی ایسی مشق کرائی تھیں کہ آپ کا ان پر خاصہ اعتماد ہو گیا تھا مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ نے فراغت کے بعد 1322ھ میں پہلا فتویٰ لکھ کر اپنے استاد محترم اور پیر و مرشد کی خدمت میں پیش کیا حسن اتفاق سے وہ بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس فتویٰ کو پڑھنے کے بعد خود میرے پاس تشریف لائے اور ایک روپیہ فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مولانا سب سے پہلے جو فتوٰی میں نے لکھا اور والد ماجد کو دکھایا تو اس صحیح جواب پر مجھے شیرنی کھانے کے لیے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا آج آپ نے جو پہلا فتویٰ لکھا ہے وہ ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے اس لیے اس اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرنی کھانے کے لیے دیتا ہوں"۔ (ایضاً، ص154)

انجمن نعمانیہ برصغیر کی دینی مدارس میں بلا مبالغہ 19ویں صدی کے آخری دہائی اور 20 صدی عیسوی کے ابتدائی 3۔4 دہایوں تک مسلک احناف کا بہت اہم دینی ادارہ تھا۔ اس انجمن اور مدرسہ کے قیام کے بعد مجلس انتظامیہ کے ایک رکن مولانا خلیفہ تاج الدین (دبیر ثانی) نے 1328ھ / 1909ء میں امام احمد رضا محدث بریلوی کو ایک خط لکھا جس میں آپ نے اس مدرسہ کی خدمت کے لیے آپ سے درخواست کی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے خلیفہ تاج الدین کو جواب دیتے ہوئے اپنی طرف سے معذرت فرمائی اور اپنے تلمیذ و خلیفہ مولانا ظفر الدین قادری رضوی بہاری کو انجمن کی خدمت کے لیے بھیجنے کا لکھا۔ اس خط کا اقتباس راقم کی تصنیف ''امام احمد رضا اور علمائے لاہور'' میں دیکھا جاسکتا ہے ملاحظہ کیجئے اس خط کا اقتباس:

بملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرم حامی سنت، ماحی بدعت جناب خلیفہ تاج الدین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

''مکرمی مولانا ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجاں عزیز ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔۔۔ علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کے اپنے نفس پر ایثار کرکے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجئے کہ اپنے ایک اور دوست کو میں نے روک رکھا ہے۔۔۔

بقلم خود فقیر احمد رضا عفی عنہ، 5 شعبان المظفر 1328ھ

(سید نور محمد قادری ''انجمن نعمانیہ (لاہور) کا تعارف، ص 14، مطبوعہ لاہور)

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے مولانا ظفر الدین کو فتاویٰ نویسی میں بھی ماہر کر دیا تھا یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کے اس تلمیذ رشید میں اعلیٰ حضرت

کے علوم کے عکس نظر آتے ہیں جس کے باعث آپ نے بھی مختلف علوم وفنون پر 100 سے زیادہ کتب تصنیف فرمائی ہیں موضوعات میں فنون حدیث، اصول حدیث، اصول فقہ، تاریخ سیرت، سوانح اخلاق، صرف نحو، منطق، فلسفہ، عقائد، مناظرہ، ہیت، توقیت، تکسیر، اذکار، وغیرہ شامل ہیں چند اہم تصانیف عربی میں بھی لکھی ہیں جن میں معرکتہ الاراء تصنیف صحیح البہاری 6 جلدوں پر مشتمل کتابِ حدیث ہے جس کا اصل نام "جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری" ہے یہ کتاب اس طور تیار ہوئی کہ آپ مسلسل امام احمد رضا کے ساتھ فتاویٰ نویسی کے کام میں مشغول رہے اور تقریباً 15 سال کے عرصے میں آپ نے اعلیٰ حضرت کے ہزاروں فتاویٰ لکھے اس دوران انھوں نے احادیث کے ذخیرہ کو اکھٹا کرلیا۔ آپ نے فقہ حنفی میں استدلال کی جانے والی اکثر احادیث کو صحیح بخاری کے طرز پر مکمل فرمالیا۔ اس کتاب کی مکمل اشاعت نہ ہو سکی مگر جلد اول ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے تعاون سے پاکستان میں شائع ہوچکی ہے۔

مولانا ظفر الدین قادری رضوی بہاری کی اکثر کتب زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں ان میں آپ کے فتاویٰ کی ایک جلد بھی طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے اس فتاویٰ کا تاریخی نام "نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (1349ھ)" رکھا گیا تھا اور جب یہ 2005ء میں المجمع الرضوی بریلی سے شائع ہوئی تو اس کے مرتب مولانا ساحل شہسرامی نے اس کا نام فتاویٰ ملک العلماء رکھا۔ اس فتاویٰ میں فقہی اعتبار سے 12 کتابیں ترتیب دی گئی ہیں: (1)۔ کتاب الطہارۃ، (2)۔ کتاب الصلوٰۃ، (3)۔ کتاب الزکوٰۃ، (4)۔ کتاب الصوم، (5)۔ کتاب النکاح، (6)۔ کتاب الطلاق، (7)۔ کتاب سیر، (8)۔ کتاب الوقف، (9)۔ کتاب القضا، (10)۔ کتاب الاضحیہ، (11)۔ کتاب الحظر والاباحۃ، (12)۔ کتاب الفرائض۔

راقم نے حال ہی میں جب اس کا مطالعہ کیا اور کتاب الحظر والاباحتہ میں آپ کا ایک استفتاء کے جواب میں رسالہ ''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' 1345ھ دیکھا اور پڑھا تو طبیعت خوش ہوگئی کہ آپ نے اس رسالے میں ایصال ثواب سے متعلق پوچھے گئے چند سوالات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں عام مسلمانوں کے فہم کے مطابق اتنا آسان پیرائے میں جواب دیا ہے کہ کھلے ذہن کا جو مسلمان اس کو پڑھے گا وہ ایصال ثواب کرنے کا نہ صرف قائل ہو جائے گا بلکہ وہ ان تمام طریقوں سے جو گنتی میں 25 بیان کئے گئے ہیں وہ ان کو پورا کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔

یہ استفتاء مولوی سید محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواری صاحب نے بتوسط پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الھدی پٹنہ 1354ھ میں بھیجا تھا۔ دوسرے سوال کا متن ملاحظہ ہو جس کے جواب میں ایصالِ ثواب کے 25 طریقے قلمبند کئے تھے:

۲: رسول اللہ ﷺ اور خلفا کے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مُردوں کے لیے ایصال ثواب کا کوئی معمول دستور تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کیا تھا؟ مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعین صفحہ ونام جواب ارشاد ہو۔

آپ نے جو مندرجہ ذیل ایصال ثواب کے 25 طریقے مستند حوالہ جات کے ساتھ تحریر فرمائے:

(1)۔ پہلا طریقہ سورۂ یٰسین پڑھنا۔

(2)۔ میت کو چومنا اور بوسہ دینا۔

(3)۔ کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفنی دینا۔

(4)۔ میت کے کفن پر کوئی آیت کلمہ طیبہ یا عہد نامہ یا دعا لکھنا۔

(5)۔ جنازہ دیکھ کر تعریف کرنا۔

(6)۔ نماز جنازہ اور کثرت مصلیان کا فائدہ۔

(7)مقدس جگہ اور صالحین کے پڑوس میں دفن کرنا۔
(8)۔جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں بزرگ کا بیٹھنا یا لیٹنا۔
(9)۔قبر پر پانی چھڑکنا۔ (10)۔بعد دفن میت کو تلقین کرنا۔
(11)۔دعائے تثبیت کرنا۔ (12)۔بعد دفن قبر پر اذان دینا۔
(13)۔قبر پر کھجور کی شاخ لگانا۔
(14)۔دفن کے بعد سرہانے فاتحہ اور پائتی خاتمہ سورہ بقرہ پڑھنا۔
(15)۔قبر کے پاس اتنا وقت ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے۔
(16)۔زیارت قبر سے اہل قبور کو انسیت دینا۔
(17)۔اخیر شب قبرستان میں جا کر دعا کرنا۔
(18)۔جمعرات کے دن والدین اور بزرگوں کی قبر کی زیارت کرنا۔
(19)۔سال بہ سال زیارت کو جانا۔
(20)۔70000 بار کلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب پہنچانا۔
(21)۔قرآن شریف پڑھ کر بخشنا۔
(22)۔میت کے لیے نفلی نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا۔
(23)۔کنواں کھُدوا کر مردے کے لیے وقف کرنا۔
(24)۔میت کی طرف سے صدقہ کرنا۔
(25)۔میت کی طرف سے قربانی کرنا۔

راقم نے اس رسالے کو کئی بار پڑھا لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام معمولات کو 25 طریقوں میں کیوں جمع کیا ہے یہ تعداد 10 بھی ہو سکتی تھی اور 15۔20 بھی اور اگر مزید ان کو تقسیم کیا جاتا تو یہ تعداد 30۔35 بھی ہو سکتی تھی لیکن جب نسبتی کی نگاہوں سے دیکھا تو

معلوم ہوا کہ مولانا ظفر الدین نے اپنے مرشد و مربی کی تاریخ وصال 25 صفر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو 25 طریقوں میں تقسیم کیا کہ استاد محترم سے جو علمی افادہ کیا ہے ان کو یوں بھی خراج عقیدت پیش کی جائے کہ جو 25 طریقے انھوں نے استاد سے سیکھے وہ ان کی تاریخ وصال 25 صفر المظفر کی طرف منسوب رہیں۔

قارئین کرام! حضرت ملک العلماء مولانا مفتی شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ "ملک العلماء" سے اس رسالے "نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب" (1354ھ) کو علیحدہ شائع کرنے کا احقر کے دل میں خیال آیا کیونکہ ان دنوں سوشل میڈیا اور مختلف T.V چینلوں میں ان موضوعات پر اکثر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ معترضین کا جواب ہمارے علما ضرور دیتے ہیں لیکن عوام الناس کے ذہنوں سے وہ تمام دلائل چند دنوں کے بعد نکل جاتے ہیں اس لیے ضروری سمجھا کہ حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری کے رسالے کو علیحدہ کتابی صورت میں شائع کر کے عوام تک پہنچا دیا جائے تاکہ بار بار مطالعہ کے بعد ان کے ذہنوں میں یہ تمام دلائل محفوظ رہیں اور ساتھ ہی بد مذہب لوگوں کے جھوٹے اور غلط استدلال سے بھی محفوظ رہیں۔

استفتا میں آپ سے 4 سوال کئے گئے جو آپ آگے مکمل پڑھیں لیں گے۔ چاروں سوالوں میں نوعیت سوال ایصال ثواب ہی ہے۔ مولانا نے اگرچہ 4روں سوالوں کے الگ الگ تفصیل سے جواب دیئے ہیں مگر سوال نمبر 2 کا جواب انتہائی تفصیل اور دلیل کے ساتھ دیا ہے جن کو مصنف نے 25 طریقوں میں شمار کیا ہے۔ راقم نے اسی بنیاد پر اس تالیف کا نام "ایصال ثواب کے 25 طریقے" (قرآن واحادیث کی روشنی میں) رکھا ہے۔

مولانا ظفر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ نے سوالات کا جواب دینے سے قبل مستفتی کو جواب دیتے ہوئے چند اہم باتیں ذکر کی ہیں وہ ملاحظہ کریں:

''مکرمی! اکرمکم اللہ تعالیٰ، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:
سوالات پہنچے، دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جناب کو نفس مسئلہ ایصال ثواب میں کلام نہیں، ہاں اس کے طریقے کے متعلق سوال ہے کہ کس طریقے سے ہونا چاہیے۔ قرآن وحدیث سے کیا ثابت ہے۔ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول بہ دستور کیا تھا؟ بعض بلند پایۂ حضرات تو نفس ایصال ثواب ہی میں کلام کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔ میرے ملنے والوں میں ایک صاحب اسی خیال کے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ لوگ جو قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا جناب یہ کس نے کہہ دیا یا خود جاکر عالمِ برزخ میں دیکھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کا کیا دھرا اکارت جاتا ہے جن کو بھیجا جاتا ہے ان کو نہیں پہنچتا۔ کیا راستے میں رہزن رہتے ہیں کہ راہ ہی میں لوٹ لیتے ہیں، وہاں نہیں پہنچنے دیتے؟ بولے کیا آپ کے پاس پہنچنے کا ثبوت ہے؟ میں نے کہا بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، علمائے کرام کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ، جن کے لیے بھیجا گیا ان کی تصدیق بھی چنانچہ امام ابو حفص کبیر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:
ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم میت کی طرف سے صدقہ دیتے۔ حج کرتے، دعا کرتے ہیں تو کیا یہ سب چیزیں ان کو پہنچتی ہیں؟ فرمایا ہاں وہ ان کو ضرور پہنچتی ہیں اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے ایک آدمی خوش ہوتا ہے جب اس کے پاس طباق ہدیہ دیا جاتا ہے۔''

(فتاویٰ ملک العلماء، ص322، مطبوعہ انڈیا، 2005ء)

حضرت مولانا مفتی محمد ظفر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالے میں نہ صرف قرآن واحادیث سے دلائل پیش کئے ہیں بلکہ متعدد اسلاف کی کتب کے حوالہ جات بھی پیش کئے ہیں یہاں تک کہ جو اہلِ سنّت سے بنیادی اختلاف رکھتے

ہیں ان کی کتابوں میں سے بھی ایصال ثواب کے دلائل پیش کئے ہیں ملاحظہ کیجئے آپ کے اسی رسالے کے صفحہ 325 کی ایک عبارت جو مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتاب صراط مستقیم کے ص 55 سے ماخوذ ہے۔

"جو عبادت مسلمان سے ادا ہو، اس کا ثواب اپنے گذرے ہوئے میں سے کسی کی روح کو پہنچائے اس دعائے خیر کے پہنچانے کا طریقہ جناب الٰہی کے ذریعہ ہے تو یہ خود البتہ بہتر اور مستحسن ہے۔ اور اگر وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہنچانا ہے اس کے اہل حقوق سے ہے تو اس کے حق مقدار کے موافق اس ثواب کو پہنچانے کی خوبی بہت زیادہ ہو گی۔ پس وہ امور جو میت کے لیے مروج ہیں مثلاً فاتحہ اور اعراس اور نذر و نیاز کے ان سب کی خوبی میں شک و شبہ نہیں۔"

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات سے بھی ایک حوالہ نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں اگر ایک کی روح کے لیے صدقہ کر کے سارے مومنین کو ثواب میں شریک کرلے تو سب کو (ثواب برابر) پہنچے گا اور جس کی نیت سے صدقہ دیا گیا ہے اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہو گی بے شک تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے۔

(ایضاً، ص 326، بحوالہ مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، ص 54)

حضرت استفتا کا تفصیل سے جواب دینے سے قبل تمہیداً گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ جو بھی مسلمان کارِ خیر کرتا ہے اپنے لیے یا دوسرے کے ایصال ثواب کے لیے حقیقتاً وہ اس ثواب کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ خداوند اس کو قبول فرمائے ملاحظہ کیجئے ایک اقتباس:

"بالجملہ ایصال ثواب کسی عمل خیر فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح و مجاز شرعی، بدنی یا مالی یا دونوں کے مجموعہ کا کسی کے نفع اخروی کی نیت کرنا یا بغیر نیت کسی دوسرے کے خود اپنے لیے کرے اس وقت یا کچھ بعد زبان سے یا فقط دل سے حقیقتاً خداوند عالم سے دعا کرنا ہے کہ اس کا ثواب فلاں شخص یا اشخاص مردہ یا زندہ

کو پہنچے۔ قرآن شریف واحادیث میں مردوں کے ایصالِ ثواب کے متعدد طریقے بتائے گئے ہیں ان میں جس طریقہ کو انجام کرے گا مُردے کو ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص وہ سب طریقے بجالائے تو اور بہتر ہے۔'' (ایضاً، ص327)

حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری علیہ الرحمۃ ایصالِ ثواب کے 25 طریقے قرآن و احادیث اور آثارِ صحابہ کرام و معمولات سلف الصالحین کی روشنی میں بیان کرنے کے بعد رسالے کے آخر میں رقمطراز ہیں:

''ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ وخلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعد کے مسلمان تابعین، تبع تابعین، رجال ونساء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الیٰ یوم الدین برابر سال بہ سال حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ودیگر شہدائے احد کے مزارات پر جاکر ایصالِ ثواب کیا کرتے تھے اور دیگر صحابہ کرام جن کے اسماء طیبہ سوال میں درج ہیں اور ان کے علاوہ وہ حضرات صحابہ عظام جن کے اسماء گرامی درج نہیں ان کے حالات بھی اگر تفصیل کتب سیر وتواریخ میں دیکھے جائیں تو ہر ایک کے لیے ایصالِ ثواب کے گزشتہ طریقوں سے نہ صرف ایک دو بلکہ متعدد طریقے اور وہ بھی نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار کرنا ثابت ہوگا اور اگر بالفرض نہ سہی تو عدم ذکر ذکر عدم نہیں۔ سینکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں واقعات روزمرہ ہوا کرتے ہیں اور تاریخ میں ان کا ذکر نہیں تو کیا وہ سب باتیں شدہ بے شدہ ہوجائینگی ہاں ماننے اور عمل کرنے کے لیے مطلق ثبوت کافی ہے اگرچہ ایک شخص ایک فرد کے لیے گیا ہو۔

در خانہ کس ست یک حرف بس مست

اور قبر پر کھجور کی شاخ رکھنا تو بارہا ثابت ہے۔ (ص405)

قارئین کرام! حضرت مفتی ظفر الدین قادری رضوی بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے میں پیش کئے گئے ''ایصالِ ثواب کے 25 طریقے'' آپ کے سامنے پیش خدمت ہیں

ان کو بغور پڑھیں اور کوشش کریں کہ اپنے مردوں کو زیادہ سے زیادہ ان طریقوں کو اپناتے ہوئے ایصال ثواب پہنچائیں تا کہ مردوں کو قبروں میں سکون نصیب ہو۔

مصنف کے حالات حضرت کے بڑے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے قلمبند کئے ہوئے ایک مقالہ سے اخذ کر کے اختصار کے ساتھ یہاں پیش کر رہا ہوں تا کہ مصنف کے حالات و افکار سے بھی آپ کو آگاہی ہو، اسی طرح حضرت کی 100 سے زیادہ تصانیف جن میں اکثر کتب شائع بھی ہو چکی ہیں اس کی تفصیل موضوعات کے اعتبار سے محترم جناب ساحل سہسرامی (علیگ) نے اپنی تصنیف "ملک العلماء" میں قلمبند کی ہیں راقم نے ان کو بھی نقل کر دیا ہے تا کہ قارئین کرام آپ کے علمی مرتبہ کو جان سکیں کہ آپ ایک عالم دین ہی نہیں بلکہ مفتی، مناظر، محقق، مصلح اور مصنف بھی ہیں۔ آپ نے صرف اردو میں ہی نہیں بلکہ عربی اور فارسی میں بھی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

رسالے کی اشاعت میں حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر مہربان باروی فاضل شام وسوڈان نے راقم کی بہت مدد کی اس رسالے کو اول تا آخر پڑھنے کے ساتھ ساتھ تمام عربی عبارات کی پروف ریڈنگ کا اہم فریضہ انجام دیا جس کے لیے فقیر ان کا نہایت ممنون ہے اب بھی اگر اس میں غلطیاں سامنے آئیں تو راقم کو مطلع کریں۔ انشاء اللہ اس کو اگلے ایڈیشن میں ضرور تصیح کر دینگے۔ رسالے کی فارسی عبارات کی تصحیح حضرت علامہ مولانا محمد یوسف کمال امجدی فارغ التحصیل دارالعلوم امجدیہ، رضویہ، کراچی نے انجام دی جس کے لیے فقیر ان کا بھی ممنون ہے۔

اس رسالے کی کمپوزنگ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے کمپوزر جناب مبشر خاں نے کی ان کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے کتاب کی کمپوزنگ نہایت محنت سے کی اور کئی مفید مشورے بھی دیئے۔ راقم بزم قادریہ رضویہ مجیدیہ کے تمام اراکین کا شکر گذار ہے جنھوں نے اس کی اشاعت کا بندوبست کیا۔

(فقیر مجید اللہ قادری)

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین قادری

حیات و علمی اسقدار

از: صاحبزادہ پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین (علیگ)
سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا

ملک العلماء فاضل بہار حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی ہندوستان کے ان عالموں اور مصنفوں میں تھے جن کی علمی شہرت دور دور تک پھیلی اور جن کی تصانیف سے ہندوستان اور پاکستان کے رہنے والے بڑی تعداد میں مستفید ہوئے۔ وہ ٹھوس علمی صلاحیت رکھنے والے کامیاب اور شفیق استاد، علمی تقریر کرنے والے، شگفتہ بیان مقرر، دل نشیں باتیں کرنے والے، موثر واعظ، اپنے منطقی و علمی استدلال سے فریق مخالف کو لاجواب کر دینے والے مناظر، اور پچاسوں کتابوں کے نامور مصنّف تھے۔ جن کی تالیفات و تصنیفات کا دائرہ وسیع تھا اور بہت سے علوم و فنون پر مشتمل۔ اگر وہ کم عمری میں ذہین، طبّاع اور سخت جدوجہد کرنے والے طالب علم تھے تو اپنے عہد شباب و کہولت بلکہ کبر سنی میں جفاکش استاد اور سر گرم عمل مصنف رہے۔ وہ عالم باعمل تھے، شریعت کے سخت پابند، طریقت کی راہ کے مجاہد، اور حب رسول میں سرشار۔ ان کی زندگی کا نظام الاوقات سخت منضبط تھا۔ انہوں نے اپنے اوقات اسطرح تقسیم کر رکھے تھے کہ گوناگوں مشغولیات کے باوجود ان کا خاصا وقت وظائف و اوراد اور یاد الٰہی کے لیے مخصوص تھا۔

ان کے اساتذہ میں اگر ایک طرف حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری رحمہا اللہ تعالیٰ تھے تو دوسری طرف حضرت

مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین فاروقی کے تلامذہ خاص مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور مولانا حامد حسن رام پوری کے اسمائے گرامی بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن جس ذات گرامی سے انہوں نے سب سے زیادہ علمی فیوض حاصل کئے۔ وہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی صحبت بابرکت میں وہ برسہابرس رہے اور جن سے یہ عزیزوں کی طرح ملتے رہے اور وہ خاندان کے بزرگوں کی طرح شفقت فرماتے رہے۔ ان دونوں کے گہرے تعلات اور قلبی روابط کا اندازہ کچھ ان مکاتیب ومفاوضات سے ہو سکتا ہے جو شفیق استاد نے اپنے لائق شاگرد کو لکھے ہیں اور جن میں وہ انہیں کبھی ”ولدی الاعزّ“ (میرے عزیز ترین بیٹے) لکھ کر مخاطب کرتے ہیں کبھی انہیں ”حبیبی و ولدی وقرۃ عینی“ کبھی ”ولدی وقرۃ عینی“ ”برادر دینی ویقینی“ کبھی ”ولدی اعزك اللہ فی الدّنیا والدّین“ لکھتے ہیں تو بعض خطوں میں ”ولدی الاعزحامی السُنّۃ ماحی الفِتَن“ ایک خط میں ”جان پدر بلکہ از جان بہتر“ لکھ کر خطاب فرماتے ہیں۔

فاضل بریلوی کے دل میں اپنے شاگرد کی کیا قدر وعزت اور کیسی تھی، اس کا اندازہ ان کے اس مکتوب سے ہوتا ہے جو انہوں نے ان کے بارے میں خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ ہند لاہور کو اپنی رحلت سے بارہ سال پہلے ۵ شعبان المکرّم ۱۳۲۸ھ کو تحریر کیا ہے۔

”۔۔۔ مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا۔

(۱)۔ سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں۔
(۲)۔ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں۔
(۳)۔ مفتی ہیں۔
(۴)۔ مصنف ہیں۔
(۵)۔ واعظ ہیں۔
(۶)۔ مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔
(۷)۔ علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز تاریخ کے لیے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔

فقیر: آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کیلئے پیش کرتا ہے۔ (مکاتیب ملک العلماء قلمی)

یہ تو نثر ہوئی اب نظم دیکھیے۔ فاضل بریلوی کا ''رسالۃ الاستمداد'' ۱۳۳۷ھ تین سو ساٹھ اردو اشعار کا قصیدہ ہے جس میں ۱۳۲ قافیے تو اصلاً مکرر نہیں، باقی میں یہ التزام ہے کہ کوئی قافیہ نو شعر سے پہلے مکرر نہ ہو۔ اس میں عنوان ''ذکر اصحاب و دعائے احباب'' کے تحت ۱۳ شعر درج ہیں جن میں اپنے مخصوص خلفاء و تلامذہ کا ذکر ہے۔ جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

میرے ''ظفر'' کو اپنی ''ظفر'' دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

مولانا ظفر الدین قادری کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی ملقب بمدار الملک و مخاطب ''بملک بیا'' ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابو بکر غزنی کے رہنے والے تھے۔ وہ غزنی سے تین فرسنگ کے فاصلے پر بمقام ''بت نگر'' مدفون ہیں۔ سید ابراہیم غزنی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲ھ۔ ۷۷۹ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آکر شاہی فوج میں ملازم ہوگئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور بالآخر ۱۳؍ ذوالحجہ ۷۵۳ھ کو قلعہ رہتاس (شاہ آباد، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ قصبۂ بہار شریف (جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۸۴ھ آسودہ ہیں) کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے جس پر قدیم عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ یہ جگہ اب بھی زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ مقبرے کی دیواروں پر فارسی کے دو قدیم تاریخی قطعات منقوش ہیں۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے۔ سید ابو بکر غزنوی، بن سید ابو القاسم عبد اللہ بن سید محمد فاروق سید ابو المنصور عبد السّلام بن سید عبد الوہاب بن شیخ محی الدین عبد القادر حسنی و حسینی رضی اللہ عنہ۔

محمد ظفر الدین، رسولپور میجرا ضلع پٹنہ (اب ضلع نالندہ) صوبہ بہار میں ۱۰؍ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹؍ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ خاندان کے بعض لوگوں نے عبد الحلیم نام تجویز کیا۔ والد ماجد نے جو بچوں کے تاریخی نام رکھنے کا ذوق اور فن تاریخ گوئی میں اچھی لیاقت رکھتے تھے، باعتبار سنہ فصلی کہ نواح عظیم آباد پٹنہ میں زیادہ تر وہی رائج تھا، تاریخی نام ''غلام حیدر'' اور ''مختار احمد'' تجویز کیے۔ دوسرے اعزہ کی خواہش تھی کہ ہمارے رکھے ہوئے نام سے پکارے جائیں، آخر اذا تعارضا تساقطا پر عمل پیرا ہوکر

ظفیر الدین نام پر اتفاق رائے ہوا اور وہ عرصے تک اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔ جب وہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ العزیز کے شاگرد ہوئے تو انہوں نے ظفیر الدین پر ظفر الدین کو ترجیح دی۔ رسالۂ اقلیدس کا خطی نسخہ کتب خانہ خاص میں محفوظ ہے جو شعبان ۱۳۲۲ھ کا مکتوبہ ہے اس کے آخر میں ''بید الفقیر محمد ظفر الدین'' لکھا ہوا ملتا ہے۔ ۱۳۲۳ھ کی ان کے قلم کی ایک تحریر میں ''ظفر الدین احمد'' درج ہے۔ بعد کو وہ ''محمد ظفر الدین'' لکھتے رہے اور اسی نام سے وہ مشہور ہوئے۔

چار سال کی عمر میں ۱۳۰۷ھ میں ان کے والد ماجد نے ان کی تعلیم شروع کرادی۔ ''رسم بسم اللہ'' حضرت شاہ چاند صاحب کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد نے دی، پھر قرآن مجید اور اردوو فارسی کی کتابیں اپنے گھر پر حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں، ۱۳۱۲ھ میں بتقریب نکاح خواہر ماموں زاد موضع ''بین'' جانے کا اتفاق ہوا۔ بعد انجام تقریب مولوی شیخ بدر الدین اشرف، مولوی محی الدین اشرف صاحبزاد گان رئیس دیندار والاتبار عالی جناب شیخ رمضان علی مرحوم نے روک لیا اور فرمایا کہ اب تمہاری تعلیم یہیں ہو گی۔ وہاں کئی سال رہ کر مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں تفسیر جلالین، میر زاہد وغیرہ تک کا درس انہوں نے لیا۔ ان کے وہاں کے اساتذہ میں مولوی شیخ محی الدین اشرف، مولوی شیخ بدر الدین اشرف کے علاوہ حضرات ذیل خصوصیت کیساتھ قابل ذکر ہیں، مولوی مہدی حسن میجروی جناب حافظ محمد اسمٰعیل بہاری، جناب مولانا فخر الدین حیدر، مولوی محمد منعم، منشی اکرم الحق، مولوی معین اظہر رئیس بین۔ اساتذہ ان کی ذہانت وشوق علمی کی وجہ سے ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سبق یاد نہ کرنے کی وجہ سے اساتذہ ان سے ناخوش ہوئے ہوں۔

اس زمانے میں عظیم آباد (پٹنہ) علم وفن کا مرکز تھا، جہاں متعدد دینی مدارس قائم تھے، جن میں مدرسہ حنفیہ واقع بخشی محلّہ، پٹنہ سیٹی ممتاز حیثیت رکھتا تھا، اس مدرسے کے بانی فارسی و اُردو کے مشہور محقق قاضی عبدالودود، بی اے کینٹب، بارایٹ لا (۱۸۹۶ء۔ ۱۳۲۶ھ) تھے جو وہاں کے ایک دیندار رئیس اور فاضل بریلوی کے معتقدین میں تھے۔ انہوں نے ۱۳۱۸ھ میں یہ دینی درسگاہ قائم کی اور ایک بڑی جائیداد اس کے اخراجات کے لیے وقف کردی۔ انہوں نے نامور اساتذہ کی خدمات حاصل کیں اور کچھ ہی عرصہ کے بعد اس کی شہرت بہار کے قصبات و مواضع ہی تک نہیں دوسرے صوبوں تک پھیل گئی۔

مدرسہ حنفیہ کے ایک استاد حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی (متوفی ۱۳۳۴ھ) کی علمی شہرت سن کر مولانا ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۰ھ کو مدرسہ حنفیہ بین سے مدرسہ حنفیہ پٹنہ آگئے جہاں انہوں نے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔ کچھ ہی دنوں کے بعد محدث صاحب بوجہ علالت اوائل شعبان میں مدرسہ حنفیہ سے کنارہ کش ہوکر اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لے گئے۔ ماہ شوال ۱۳۲۰ھ کو مولانا ظفرالدین اپنے ہم سبق حکیم ابوالحسن کے ساتھ دارالعلوم کانپور پہنچے۔ ان کی بعض تحریرات سے جو خاندان میں محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کتابوں اور سامان کے ساتھ سفر کا کچھ حصہ انہوں نے پیدل چل کر طے کیا۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے، لیکن طلب وشوق میں راہ علم کا مسافر آگے بڑھتا رہا۔ انہوں نے "مدرسہ امداد العلوم" بانس منڈی کانپور میں مولانا قاضی عبدالرزاق (متوفی ۱۹۴۶ء) جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید اور مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد تھے، کے سلسلہ تلامذہ میں داخل ہوکر درس لینا شروع کیا۔ مدرسہ امداد العلوم کے علاوہ بعض اسباق مدرسہ احسن المدارس اور بعض دارالعلوم میں پڑھتے رہے۔ گویا کانپور کے تینوں مدارس کے اساتذہ سے انہوں نے علمی فیوض حاصل کیے۔ وہاں کے مشہور استاد مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳؍صفر

۱۳۲۲ھ) سے منطق کی کتابیں پڑھیں اور مولانا شاہ عبید اللہ پنجابی کانپوری (تاریخ وفات ٦/ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ) سے ہدایۂ اخیرین ختم کی۔ کانپور سے وہ پیلی بھیت آئے، جہاں محدث سورتی پٹنہ سے واپس آکر اپنے قائم کردہ مدرسۃ دارالحدیث میں درس دینے لگے تھے، وہاں ان سے انہوں نے حدیث کا درس لیا۔

آخر خوب سے خوب تر کی تلاش انہیں اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مولانا احمد رضاں فاضل بریلوی (۱۲۷۲ء۔ ۱۳۴۰ھ) تک لے گئی جن کے علم اور قلم کی طاقت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں ان سے مل کر بہت متاثر ہوئے وہ ان سے فیض اٹھانا چاہتے تھے اور ان کے علم سے متمتع ہونا چاہتے تھے اور درسیات کی تکمیل بھی۔ لیکن فاضل بریلوی ہمہ وقت مطالعہ اور تالیف وتصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے یہاں نہ درس وتدریس کا کوئی سلسلہ تھا اور نہ اس وقت کوئی مدرسہ قائم تھا۔ مولانا ظفر الدین، اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خاں بریلوی (۱۲۷٦۔ ۱۳۲٦ھ) بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں (۱۲۹۲۔ ۱۳۲٦ھ) مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ شاہ بریلوی اور دوسرے اصحاب سے ملے اور ان لوگوں کے مشورے اور مساعی سے ایک مدرسہ قائم کرنے کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ وہ فرماتے تھے کہ مدرسہ کے قیام میں حضرت مولانا حسن رضا خاں اور مولانا سید محمد امیر اللہ کی مساعی کو بہت دخل ہے اور یہ مدرسہ انہی کی کوششوں سے قائم ہوا۔ یوں (۱۹۰۴ء۔ ۱۳۲۲ھ) میں مدرسہ "منظر اسلام" محلّہ سوداگران بریلی میں قائم ہوا۔ یہ تاریخی نام ہے اس سے ۱۳۲۲ کے اعداد مستخرج ہوتے ہیں۔ مولانا حسن رضا خان اس کے پہلے ناظم مقرر ہوئے۔ مولانا ظفر الدین کے ایک دوست اور ہم وطن مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی آگئے تھے۔ انہی صرف دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔ انہوں نے بہار خطوط لکھ کر مدرسے کے قیام کی اطلاع دی اور دوستوں کو بریلی بلایا۔ ان کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ تک بہار کے مختلف

مقامات سے غلام مصطفےٰ محمد ابراہیم اوگانوی، سید شاہ غلام محمد بہاری، سید عبدالرحمٰن بیتھوی مولوی محمد اسمٰعیل بہاری، محمد نذیر الحق رمضان پوری اور کچھ دوسرے طلباء بہار سے آکر مدرسہ منظر اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

مولانا نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری شریف پڑھنی اور فتوٰی نویسی سیکھنی شروع کی۔ انہوں نے فاضل بریلوی کے کچھ فتاویٰ جنہیں ظاہراً وہ املا کرادیتے تھے ایک مجموعے میں جمع کرنا شروع کئے تھے جس کے کچھ اوراق اس وقت پیش نظر ہیں۔ اس میں پہلا فتویٰ ۸ / رمضان ۱۳۲۲ھ کا تحریر کردہ ہے بعد کو جب مدرسے میں کچھ جیّد علما اور مستند مدرسین کی خدمات حاصل کی گئیں تو انہوں نے مولانا حکیم محمد امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسن رامپوری، تلمیذ خاص حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین فاروقی رامپوری (۱۲۴۸۔ ۱۳۳۱ھ)، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ رشید استاذ الاساتذہ حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی (۱۲۴۴۔ ۱۳۳۴ھ) سے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف اور دوسری کتب درسیات کی تکمیل کی۔ فاضل بریلوی سے انہوں نے صحیح بخاری، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح، الافلاک، شرح چغمینی تمام کرکے علم ہئیت ریاضی، توقیت، جفر وتکسیر وغیرہ فنون حاصل کیے۔ تصوف کی کتابوں میں ان سے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس بھی لیا۔ بخاری شریف اور عوارف کے اسباق میں طلباء کے علاوہ علماء کی جماعت بھی شریک ہوتی تھی۔

ان کی تدریسی زندگی کا آغاز بھی "مدرسہ منظر اسلام" بریلی ہی سے ہوا جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں جو فتاوے انہوں نے لکھے ان میں سے کچھ کی نقلیں نافع البشر فی فتاویٰ ظفر میں موجود ہیں۔

ملک العلماء سے مختلف مدارس کے جن طلباء نے علمی فیوض حاصل کئے، ان کی تعداد بتانا آسان نہیں، صرف مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے متخرجین کی تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔

انہوں نے کوئی پچپن سال تک مسلسل تدریس کا سلسلہ قائم رکھا اور بریلی آرا، سہسرام، پٹنہ اور کیٹہار (پورنیہ) کے مدارس میں ہزاروں طالبان علم کو اپنے علمی فیوض سے سیراب کیا۔ تدریس کے ساتھ افتا و مواعظ کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔

ملک العلماء عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی عبادت و ریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی نہ ان کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ زندگی کے آخری دن تک وہ علمی و دینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے۔ شب دوشنبہ ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ، ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر اللہ کرتے انہوں نے اپنی جان، جان آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہل خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ جن سے انہیں فردوسی شطاری، شہروردی اور کچھ مزید سلسلوں میں خلافت و اجازت حاصل تھی حسن اتفاق سے تشریف لے آئے اور انہی نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ دسویں گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کی درگاہ سے متصل شاہ گنج کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، جہاں ہر سال ان کے اعزہ و معتقدین و تلامذہ ان کے یوم وصال پر فاتحہ خوانی اور عرس و مواعظ حسنہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے، ان کی تربیت ٹھنڈی رکھے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔

ملک العلمأ کا قلمی مقام

از: علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)

اصل نام: علامہ ارشاد احمد رضوی مصباحی، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ، انڈیا

قلم سے ملک العلما کا زمانۂ طالب علمی سے رابطہ رہا۔ فتویٰ نویسی نے اس ذیل میں حاضری کمک پہنچائی۔ لیکن خاص بات یہ رہی کہ آپ کا قلم ہمیشہ دین اور لوازمات دین کے گرد گھومتا رہا۔ آپ کو کبھی ادیبانہ شوق نہیں چرایا جس سے آپ کی عالمانہ شان پر دھبہ آئے۔ آپ کی باضابطہ تصنیف کا آغاز ۱۳۲۳ھ سے ہوتا ہے یعنی سال فراغ سے دو سال پہلے، پھر یہ سلسلہ اخیر دم تک جاری رہا اور تقریباً سو کتابیں متعدد فنون میں منظر عام پر آئیں۔ موضوعات قلم میں فنون حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، سوانح، اخلاق، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، عقائد، مناظرہ ہئیت، توقیت، تکسیر، اذکار، اوفاق آتے ہیں۔ بیشتر کتابیں اردو زبان میں ہیں لیکن چند اہم تصانیف عربی میں بھی لکھی گئیں جن میں صحیح البہاری خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ حضرت ملک العلما کی تحریروں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں اعلیٰ حضرت کے افادات ملتے ہیں اور انہیں کا طرز تحقیق جھلکتا ہے۔ سوز دل پایا تھا اس لئے پر خلوص جذبے بھی ہر جگہ اپنی تسلیم کراتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت ملک العلما کی تصانیف اور مختلف فنون میں ان کی مہارت پر اگلے صفحات میں کہیں جزوی اور کہیں مفصل تبصرہ موجود ہے۔ یہاں صرف حضرت کی تصانیف کی فہرست موضوعات اور سن تصنیف کی تعیین کے ساتھ پیش ہوتی ہے:

سیرت: ☆شرح کتاب الشفاللقاضی عیاض(۱۳۲۴ھ) میں آغاز تصنیف۔ مکمل نہ ہوسکی ☆ تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ) اس کے کئی حصے لاہور سے شائع ہوئے۔، مبارک پور اور ہزاری باغ نے بھی اس کی بعض جلدیں شائع کیں ☆مولود رضوی (۱۳۶۰ھ) پاکستان سے شائع ہوئی۔

حدیث: ☆نزول السکینیہ با سانید الاجازات المتینہ(۱۳۳۳ھ)☆جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری(۱۳۴۵ھ) سن آغاز۔ ٦/ جلدوں میں فقہ حنفی کو موید احادیث جمع کرنے کا رادہ تھا لیکن غالبا تین جلدیں ہی ترتیب پاسکیں کہ وقت موعود آگیا۔ دوسری جلد جو چار اجزااور دس ہزار احادیث پر مشتمل ہے، مصنف کی حیات میں ہی شائع ہوچکی تھی، ابھی حال میں پاکستان سے بھی اشاعت ثانیہ ہوئی ہے۔ پہلی جلد پر بھی پاکستان میں کام ہو رہا ہے جو کتاب العقائد پر مشتمل ہے ☆ الافادات الرضویہ۔ اصول حدیث(۱۳۴۴ھ)

فقہ و اصول: ☆مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ) ☆ اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیہ المساجد (۱۳۲۵ھ) ☆التعلیق علی القدوری(۱۳۲۵ھ)بسط الراحتہ فی الحظر والا باحتہ(۱۳۲۶ھ) الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی(۱۳۲۶ھ) ☆ رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ) ☆القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر(۱۳۳۳ھ) ☆تحفتہ الاحباب فی فتح الکلوۃ والباب (۱۳۳۲ھ) نہایہ المنتہی فی شرح ہدایت المبتدی(۱۳۴۳) ☆ تسہیل الوصول الی علم الاصول(۱۳۴۸ھ) ☆ نافع البشر فی فتاوی ظفر(۱۳۴۹ھ) ☆نصرۃ الاصحاب با قسام ایصال الثواب(۱۳۵۴ھ) ☆ جامع الاقوال فی رویتہ الھلال(۱۳۵۷ھ) ☆عید کا چاند(۱۳۷۰ھ) ☆تنویر المصاح للقیام عندحی علی الفلاح(۱۳۷۱ھ) اصلاح الایضاح۔ ان میں مجموعہ فتاویٰ نافع البشر ناچیز نے مرتب کر کے شائع کیا جس میں چھ فقہی رسائل بھی شائع ہوئے۔

جامع الاقوال بوجوہ پٹنہ سے شاہ محمود حسین عرف شاہ بودا برادر شاہ حامد حسین سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں کے نام سے ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوا۔ باقی رسائل غیر مطبوعہ ہیں۔

عقائد و مناظر: ☆ظفر الدین الجید(۱۳۲۳ھ) مطبوعہ ☆الحسام المسلول علی منکر علی الرسول(۱۳۲۳ھ) ☆مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (۱۳۲۴ھ) یہ خالص مناظراتی تحریر ہے جو ابھی قلمی ورت میں ہے۔ ☆شکست سفاہت(۱۳۲۶ھ) مطبوعہ ☆ظفر الدین الطیب(۱۳۲۷ھ) یہ ظفر الدین الجید کے ساتھ متعدد بار شائع ہوا ☆سجم الکنزہ علیٰ الکلاب الممطرۃ(۱۳۲۸ھ) ☆النبراس لدفع المنہاس(۱۳۲۹ھ) ☆کشف الستور عن مناظر رامپور(۱۳۳۴ھ) ☆گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ) مطبوعہ ☆ ندوۃ العلما (۱۳۳۸ھ) ☆ الفوائد التامہ فی اجوبتہ الامور العامتہ (۱۳۵۷ھ)۔

فضائل و مناقب: تحفہ الاحبار فی مناقب الاخبار(۱۳۳۷ھ) ☆تحفتہ المظافی فضل العلما(۱۳۶۵ھ) ☆ النور و الضیافی سلاسل الاولیا(۱۳۸۲ھ) سبھی قلمی صورت میں ہیں۔

تاریخ و سوانح: ☆المجمل المعدد لتالیف المجدد(۱۳۲۷ھ) دسیوں ایڈیشن نکل ہیں ☆جواہر البیان فی ترجمتہ خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ) حضرت ابن حجر مکی(م ۹۷۳ھ)نے امام اعظم کی سوانح ''الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفتہ النعمان'' تحریر فرمائی۔ ملک العلمانے حاجی لعل خاں کی فرمائش پر اس کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۳۳۳ھ میں کلکتہ سے شائع ہوا پھر اس کے متعدد ایڈیشن ہندوستان، پاکستان اور ترکی سے شائع ہوئے۔ ☆خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ) ☆ اعلام الاعلام با حوال العرب قبل الاسلام(۱۳۴۱ھ) ☆ چودھویں صدی کے مجدد(۱۳۶۷ھ) ☆حیات اعلیٰ حضرت / مظہر المناقب

(۱۳۶۹ھ) یہ کتاب چار جلدوں میں ہے جو بارہ سال کے عرصے میں تصنیف ہوئی۔ پہلی جلد مصنف کی حیات میں شائع ہوئی۔ باقی دو جلدیں ۲۰۰۳ء میں مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کی ترتیب سے۔

اخلاق و نصائح: ☆سرور القب المحزون فی البص عن نور العیون (۱۳۳۸ھ) یہ رسالہ متعدد بار شائع ہوا۔ ناچیز نے اسے ایڈٹ کر کے 'اسلامی نظر موت کے نام سے المجمع العلمی ہزاری باغ کے زیر اہتمام شائع کرایا۔ ☆ھادی الھدیٰ ترک الموالات (۱۳۳۹ھ) ☆کا داغ لئے بیٹھی تھیں۔ عقد بیوگاں کی ترغیب میں یہ رسالہ تحریر ہوا جس کے دو ایڈیشن ۱۳۴۷ھ اور ۱۳۵۵ھ میں پٹنہ کے شائع ہوئے ☆سد الفرار المھاجری بہار (۱۳۶۶ھ) ہجرت بنگال کے نام سے مشہور یہ رسالہ پٹنہ سے شائع ہو کر مفت تقسیم ہوا۔

نحو و صرف: ☆التعلیق علیٰ شروح الغنی (۱۳۳۱ھ) ☆وافیہ (۱۳۳۵ھ) ☆القصر المبنی علی بناء المغنی (۱۳۳۶ھ) ☆ نظم المبانی فی حرف المعانی (۱۳۳۷ھ) ☆عافیہ، صرف (۱۳۳۵ھ) ۱۹۴۶ء میں بریلی سے شائع ہوا۔

منطق و فلسفہ: ☆تقریب (۱۳۳۵ھ) ☆ تذہیب (۱۳۳۵ھ) ☆ الانوار الامعتہ من الشّمس البازغہ (۱۳۵۷ھ) سبھی قلمی ہیں۔

ہئیت وتوقیت: ☆الجوہر و الیواقیت معروف توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ) مطبوعہ بدر الاسلام لمیقات کل الصلوۃ و الصیام معروف نہ مؤذن الاوقات (۱۳۳۵ھ) مطبوعہ ☆ توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ) ☆مشرقی اور سمت قبلہ / مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) ۱۹۴۰ء جنوری فروری کے معارا عظم گڑھ میں قسط وار اشاعت ہوئی۔ ابھی چند سال پہلے لاہور سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

جفر و تکسیر: اطیب الاکسیر نی علم (۱۳۳۰ھ) ☆التحقیق المبین لکمات التوبین (۱۳۳۰ھ) متفرق۔

افتا:

ملک العلما ۱۳۲۱ھ میں بریلی پہنچے اور ۱۳۲۲ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ درسیات کے ساتھ مشق افتا بھی شروع ہوئی۔ پہلا فتویٰ لکھ کر جب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا تو حسن اتفاق کہ بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت خوش ہوئے۔ دعائیں دیں اور انعام سے بھی نوازا۔ ملک العلما افتخاریہ انداز میں اس نوازش کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جامع حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ کہتا ہے کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اعلیٰ حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں۔ غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہو گی اور میں کچھ بول نہ سکا۔ اس لئے کہ فتویٰ پیش کرتے وقت میں خیال کر رہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط۔ مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا اور پھر اس پر انعام اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ سے کہ میرے والد ماجد صاحب نے مجھے اول فتویٰ صحیح پر انعام دیا تھا، اس لئے میں بھی اول فتویٰ صحیح پر انعام دیتا ہوں۔ حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے روانہ فرمائے۔ اس میں برابر ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ

کاسمہ ظفر الدین سے شروع فرمایا۔ فتاویٰ شریف جلد اول میں میرا نام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا۔ (حیات اعلیٰ حضرت اورل ص ۱۵۴)

افتا کا سلسلہ پوری زندگی چلتا رہا حتی کہ وصال کے دن بھی وراثت کے متعلق ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

"زندگی کے آخری دن صبح دس بجے دریاپور کی مسجد جاکر حسب معمول انہوں نے قرآن پاک کا درس دیا اور اسی شام کو چار خط لکھے۔ والدۂ مرحومہ فرماتی تھیں کہ دو خطوط کے بارے میں تو یاد نہیں، تیسرا خط تمہارے نام تھا اور چوتھا خط بہت طویل تھا جو وراثت کے ایک پیچیدہ مسئلے کے بارے میں تھا" (موذن الاوقات ص ۳۶)

احقر نے ممکنہ وسائل سے حضرت ملک العلما کے جتنے فتاویٰ اور فقہی رسائل دستیاب ہوسکتے تھے، انہیں کتابی صورت دیدی ہے۔ یہ فتاویٰ ملک العلما ۵۱۲ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

ماخوذ: ملک العلماٗ ایک جامع کمالات شخصیت

از: علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)

(صفحات 43۔47)

ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (انٹرنیشنل)، کراچی

سن اشاعت: 1427ھ / 2006ء

کتاب کی اہمیت، خصوصیت اور منہج

از: ڈاکٹر مہربان باروی (فاضل شام)

محسن اہلِ سنّت پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب سے اکثر دینی مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی ہے چند ماہ قبل ایصالِ ثواب کے موضوع پر بہت تفصیل سے بات چیت ہوئی اور ڈاکٹر صاحب نے کئی آیات واحادیث کا حوالہ دیا جو اس موضوع پر میری نظر سے نہیں گذری تھیں میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ جو دلائل دے رہے ہیں اگر یہ کتابی صورت میں لکھ کر اس کی اشاعت کی جائے تو عوام الناس کے بہت سے شکوک دور ہو جائیں گے انہوں نے جواباً کہا کہ یہ میرے دلائل نہیں بلکہ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے تلمیذ خاص حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری کے کلمات ہیں جو حال ہی میں احقر نے ان کے فتاویٰ ملک العلمائیں پڑھے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ حضرت مفتی ظفرالدین علیہ الرحمہ نے ایک دو نہیں بلکہ 25 طریقے ایصال ثواب کے قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے فتاویٰ میں لکھے ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ آپ جلد مجھے وہ عنایت کریں تاکہ میں بھی اس کا مطالعہ کروں۔ راقم نے اس پورے فتوے کا جو ایک رسالہ کی صورت میں لکھا گیا تھا جب مطالعہ کر لیا تو علمی اعتبار سے طبیعت باغ باغ ہو گئی کہ حضرت نے تمام احادیث اور فقہ کی کتابوں کو کھنگال کر ایصالِ ثواب کے 25 طریقے قلمبند کئے ہیں۔ راقم نے حضرت مجید اللہ صاحب سے کہا کہ اس رسالے کی اشاعت کا فوری بندوبست کریں انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ حضرت کام شروع کر دیا بس آپ نے میری مدد کرنی ہے کہ اس رسالے کی تمام عربی عبارات کی پروف ریڈنگ کرنی ہے اور اس رسالے

کی علمی افادیت پر ضرور آپ نے چند صفحات لکھنے ہیں۔ راقم نے حضرت کا جذبہ دیکھتے ہوئے ان کی شرط منظور کرلی۔

مجھے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ایصالِ ثواب کا جب تفصیل سے مطالعہ کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ بہت ساری آیات ایسی ہی جو ایصال ثواب کے ثبوت پر واضح دلالت کرتی ہیں، خاص بات یہ ہے کہ سورۃ النجم کی آیت: ﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ جو ہمیشہ ایصالِ ثواب کے خلاف پیش کی جاتی ہے آپ نے اس کا محمل حسن بیان فرمایا ہے کہ یہ یا تو سورۃ الطور کی آیت نمبر 21: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ سے منسوخ ہے، یا یہ حضرت ابراہیم اور موسی علیہما السلام کی قوم کے ساتھ خاص ہے، یا یہاں پر انسان سے مراد کافر ہے، یا (الانسان) میں (لام) سے مراد (علی) ہے، یعنی انسان پر صرف اسی چیز کا محاسبہ ہے جو وہ کرتا ہے، اور پھر آپ نے ہر قول کی صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین رضوان علیہم اجمعین کے اقوال سے تایید بیان فرمائی۔

اس کے علاوہ سورت الحشر کی آیت نمبر: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾۔ ایصال ثواب کے ثبوت پر پیش فرمائی، اور پھر اس کے وجہ استنباط اور اپنے موقف کے تائید پر تفسیر کبیر، تفسیر جلالین، حاشیہ صاوی علی جلالین، حاشیہ قونوی علی بیضاوی، حاشیہ خفاجی علی بیضاوی اور تفسیر روح البیان کی عبارات نقل فرمائیں کہ اس سے مراد ایصال ثواب کا جواز ہے۔ اسی طرح آپنے آیت: ﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ [الإسراء: 24/17]. اور: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾. [التوبة: 103/9]. سے بھی ایصال ثواب کا جواز ثابت فرمایا۔

جہاں تک احادیث کی بات ہے تو ایصال کے ثبوت کے لیے لاتعداد احادیث آپ نے پیش فرمائی ہیں، اور نہایت خوبصورتی سے ان سے استدلال فرمایا، اور ساتھ ہی ساتھ شراح احادیث سے اپنے موقف کو تائید بخشی، اسی طرح عقائد اور فقہ کی کتب سے بھی بہت ساری عبارات نقل فرما کر واضح کر دیا کہ اہلِ سنّت والجماعت کا ایصال ثواب کے بارے میں جو نظریہ ہے وہ بالکل صحیح ہے، اور اسی موقف پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین تمام سلف الصالحین کار فرما تھے، اب ہم علامہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کردہ منہج پر مختصر سی روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کتاب کا منہج:

کوئی بھی بات بغیر تخریج وتوثیق کے نقل نہیں فرمائی، بلکہ قرآن، حدیث، تفسیر، شراح حدیث، متکلمین اور فقہاء کی اصلی عربی وفارسی عبارات نقل فرمائیں جلد نمبر اور صفحہ نمبر سمیت تاکہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے، اور پھر ان عبارات کی بہت خوبصورت تشریح فرمائی اور تمام عبارات میں بہت عمدہ ترتیب و تنسیق ہے کہ کسی کو آگے پیچھے نہیں کیا جاسکتا، میں نے تمام عربی عبارات کی ان کی اصلی کتابوں پر پروف ریڈنگ کی مجھے کہیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملا جس کا آپ نے حوالہ دیا ہو اور وہ وہاں موجود نہ ہو، یا قابل ذکر کمی زیادتی ہو۔ نیز اس رسالے میں صرف استطراد عبارات نہیں بلکہ اس کی منطقی تقسیم فرمائی کہ ایصال ثواب کے چار طریقے قرآن مجید سے نقل فرمائے جو کہ پہلے سوال کا جواب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں ایصال ثواب کے پچیس طریقے رائج تھے، اور یہ دوسرے سوال کا جواب ہے، دوسرا اور تیسرا سوال بہت سارے نکات میں مشترک تھا لہٰذا دوسرے سوال کا جواب تیسرے سوال کے جواب پر بھی مشتمل ہے تاہم پھر بھی آپ نے خصوصی طور پر اس سوال کا جواب مدلل

بیان فرمایا، اور چوتھے سوال کے جواب میں آپ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو وصیتیوں کا ذکر فرمایا جو آپ نے اپنے بیٹے اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہما کے لیے بیان فرمائیں تھیں، اور پھر آخر میں فرماتے ہیں ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے نہ کہ اہلِ سنّت میں کسی کا۔

آپ کے منہج اور خصوصیات کو اگر الگ الگ نکات میں بیان کیا جائے تو اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(1)۔ احادیث کی نقل میں مصنف ہمیشہ الاصح فالاصح پر عمل کرتے نظر آتے ہیں، کہ جب حدیث صحیح بخاری میں نہیں ملتی تو صحیح مسلم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جب صحیح مسلم میں حدیث نہیں ملتی تو سنن ابو داود کی طرف جاتے ہیں، اسی طرح باقی کتب کی طرف۔

(2)۔ کتاب کے شروع سے لے کر آخر تک میں نے تمام عربی عبارات کا اصلی کتب پر مقابلہ کیا مجھے کہیں کوئی ایسی عبارت نہیں ملی جو اصل کتاب میں نہ ہو۔

(3)۔ عمومی طور پر وہ احادیث مبارکہ کتب تخاریج اور جوامع سے نقل کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے ہاں برصغیر میں علماء کرام کا طریقہ رہا ہے۔

(4)۔ کئی دفعہ احادیث مبارکہ پر تصحیح وتضعیف کا حکم لگاتے ہیں مثلا انہوں نے جب یہ حدیث ذکر کی: ((عَن خَارِجَة بن زيد عَن عَمه يزِيد بن ثَابت - وَكَانَ أكبر من زيد - قَالَ: خرجنَا مَعَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَلَمَّا وردنا البقيع إِذا هُوَ بِقَبْر جَدِيد فَسَأَلَ عَنهُ فَقَالُوا: فُلَانَة فعرفها فَقَالَ: أَفلا آذنتموني بهَا قَالُوا: كنت قَائِلاً فكرهنا أَن نؤذيك فَقَالَ: لَا تَفعلُوا مَا مَاتَ مِنْكُم ميت مَا دمت بَين أظْهركُم إِلَّا آذنتموني بِهِ فَإِن صَلَاتي عَلَيْهِ رَحْمَة)) اس کے بعد فرماتے ہیں: والحديث رواه ابن ماجة في سننه وابن حبان في صحيحه والحاكم في المستدرك في فضائل وسكت عنه۔

بہت سے مصنفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ایک حدیث کو بہت سارے محدثین نے ذکر کیا ہو تو اس کی ایک ہی ساتھ تخریج بیان فرمادیتے ہیں کہ اسے بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے خواہ ان سب کے الفاظ مختلف کیوں نہ ہوں، لیکن علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اگر الفاظ کا اختلاف معمولی سا ہو تو ان تمام کتابوں کو ایک ساتھ ذکر فرماتے ہیں، اگر الفاظ زیادہ مختلف ہوں تو اس کے لیے کوئی ایسا الفاظ لاتے ہیں جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ ان کے الفاظ مختلف ہیں، مثلاً جو حدیث اوپر ذکر ہوئی اس کے بعد فرمایا: رواه ابن ماجة في سننه... پھر فرمایا: وروى نحوه البخاري ومسلم۔ کہ اس حدیث کو اسی طرح بخاری اور مسلم نے بھی ذکر فرمایا ہے کیونکہ بخاری اور مسلم کے الفاظ ابن ماجہ کے الفاظ سے مختلف تھے۔

(5)۔ علامہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ بہت دفعہ ایک حدیث کی تخریج بہت ساری کتب حدیث سے نقل کرتے ہیں، مثلاً: عَنْ أبي سعيد الخدري رضي الله عنها، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ» (رواه الإمام مالك والإمام أحمد والبخاري وأبو داود والترمذي ورواه مسلم عن أبي الدرداء ورواه الترمذي وابن ماجة عن أبي هريرة ورواه النسائي عن أبي أيوب ورواه الإمام أحمد وابن ماجة عن أبي مسعود الأنصاري ورواه الطبراني عن ابن مسعود ورواه البزار عن جابر وأبي عبيدة عن ابن عباس رضي الله عنهم أجمعين).

(6)۔ اگر ایک حدیث کو بہت سارے محدثین نے ذکر فرمایا مگر ان کے راوی الگ الگ تھے، تو آپ ہمیشہ اس کی تفریق کرتے نظر آتے ہیں، مثلا بالا حدیث کو ذکر کرنے سے پہلے حضرت ابو سعید خدری کا نام ذکر فرمایا اور حدیث کے بعد فرماتے ہیں: اسے امام مالک، امام احمد اور امام بخاری نے روایت کیا

ہے، یعنی ابو سعید خدری سے اور امام مسلم نے حضرت ابو الدرداء سے روایت فرمایا ہے، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرۃ سے روایت فرمایا ہے، نسائی نے حضرت ابو ایوب سے روایت کیا ہے، امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو منصور انصاری سے روایت فرمایا، بزار نے حضرت جابر سے اور اَبو عبیدہ نے حضرت ابن عباس سے۔

(7)۔ ہمیشہ احادیث مبارکہ سب سے پہلے راوی صحابی کے نام کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

(8)۔ ہمیشہ تمام استدلات خواہ وہ عربی عبارات ہوں، اردو یا فارسی بمع توثیق وتخریج نقل فرماتے ہیں صفحہ نمبر اور جلد نمبر سمیت اور بہت دفعہ احادیث کے ابواب بھی ذکر کرتے ہیں مثلاً:(رواه النسائي في باب تقبيل الميت وأين يقبل منه).

(9)۔ عموماً احادیث ذکرکرنے کے بعد ان کی تصحیح وتضعیف پر بحث ومباحثہ بھی کرتے ہیں اور اس حوالے سے فن کے ماہرین حضرات کے اقوال نقل فرماتے ہیں، مثلاً:((إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ، حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)). کے ذکر کرنے کے بعد حافظ عراقی سے نقل کرتے ہیں: وهو إن كان موقوفاً عليه فمثله لا يقال من قبل الراي وإنما هو أمر توقيفي, فحكمه حكم المرفوع كما صرح به جماعة من أئمة أهل الحديث والأصول. ایک اور مقام پر حدیث ذکر کرنے کے بعد ملا علی قاری سے نقل فرماتے ہیں: ... وبالأحاديث المذكورة، وهي وإن كانت ضعيفة فمجموعها يدل على أن لذلك أصلاً، وأن المسلمين ما زالوا في كل مصر وعصر يجتمعون ويقرؤون لموتاهم من غير نكير، فكان ذلك إجماعاً.

(10)۔ فقہی مسائل پر ہمیشہ براہ راست فقہاء کی کتب سے عبارتیں نقل فرماتے ہیں، مثلاً عنوان: (نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں اور اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے) اس موقف کی تائید کے لیے متعدد فقہاء کی عبارتیں نقل فرمائیں، جن میں سے فتاویٰ قاضی خان کی یہ عبارت نقل فرمائی: ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ, فإن کان یابساً لا بأس بہ۔ اور البحرالرائق اور دررالحکام اور شرح المنیہ سے یہ عبارت نقل فرمائی: أیضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ دون الیابس۔ مذکورہ موقف کی تائید میں مزید امداد الفتاح اور فتاویٰ قاضی خان سے یوں نقل فرماتے ہیں: وعللہ في الإمداد بأنہ ما دام رطباً یسبح اللہ تعالی فیؤنس المیت وتنزل بہذہ الرحمۃ۔

(11)۔ قواعد فقہیہ پر بھی آپ کی بہت گہری نظر تھی، مختلف مواقع پر آپ انہیں بھی ذکر فرماتے ہیں، مثلاً شرح الہدایۃ سے ایک بہت خوبصوت قاعدہ نقل فرمایا ہے: کل عقد جاز أن یعقدہ الإنسان بنفسہ جاز أن یوکل غیرہ۔

خلاصہ یہ کہ آپ کا یہ رسالہ محدثین فقہاء، مفسرین، شراح حدیث اور تحقیق و تالیف کے فن کے ماہرین کے ہاں بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہے، علمی حیثیت میں یقیناً اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کے ہم پلہ ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ و شاگرد دونوں کے فیوض وبرکات سے ہم سب کو بھی مستفید فرمائے، اور ان بزرگوں کا فیض ہمیشہ ہر عام وخواص کے لیے جاری رہے۔

رسالہ: نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (1354ھ)

(ایصالِ ثواب کے 25 طریقے)

مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ ربُّ محمّد، صلَّی اللہ عَلیہ وسلَّم

مسئلہ مرسلہ: مولوی سید محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواروی بتوسط پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔ علمائے ملت اسلامیہ مندرجہ ذیل سوالات کے مفصل جوابات مرحمت فرمائیں۔

ا۔ مردوں کے لیے ایصال ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں؟ اگر بتایا گیا ہے تو وہ کیا ہے؟ مع نقل آیات، جواب مرحمت ہو۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لیے ایصال ثواب کا کوئی معمول بہ دستور تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو وہ کیا تھا؟ مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعین صفحہ ونام جواب ارشاد ہو۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اہل بیت واصحاب میں سے جو لوگ وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجہ الکبریٰ زوج النبی ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رضی اللہ عنہما و حضرت خبیب، حضرت حمزہ وحضرت جعفر طیار ودیگر شہدائے جنگ بدر وخیبر

واحد و حنین وتبوک وغیرہا رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ اور ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خاص آنحضرت ﷺ کے لیے یا پہلے یا اپنے وقت کے اموات و شہدا کے لیے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے کیا؟ اور ایک بار یا برابر کرتے تھے؟ جواب باصواب مع نقل روایات وحوالہ کتب و تعیین صفحہ ونام مطبع مرحمت ہو۔

۴۔ فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصال ثواب کا لکھا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا تو وہ کیا ہے اور خود حضرت امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت اس کی منقول ہے یا نہیں معہ حوالہ کتاب وعدد صفحہ پوری عبارت لکھئے۔

امید ہے کہ ان سوالوں کے مفصل جوابات جلد سے جلد مرحمت ہوں گے۔ اخی الاعظم مولانا عبید اللہ صاحب امجہری مدظلہ، جبی الاکرم مولانا ظفر الدین صاحب، جبی الاکرم مولانا اصغر حسین صاحب، جبی الاکرم مولانا عبدالسبحان صاحب، جبی الاکرم مولانا دیانت حسین صاحب کی طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، خصوصیت کے ساتھ ان سوالوں کی طرف توجہ فرمائیں اور ان کے علاوہ ہر ہر مدرس مدرسہ سے بادب استدعا ہے:(بيِّنوا تُؤجروا وأجركم على من بيده أزمة التوفيق, وهو نعم المولى ونعم الرفيق).

:(المستدعي تمنا العمادي المجيبي الفلواروي پهلواري شريف, ضلع بتنة).

۲۰/ اگست ۱۹۳۵ء۔

الجواب اللھم ھدایة الحق والصواب

مکرمی! اکرمکم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سوالات پہنچے، دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جناب کو نفس مسئلہ ایصال ثواب میں کلام نہیں۔ ہاں اس کے طریقے کے متعلق سوال ہے کہ کس طریقے سے ہونا چاہیے۔ قرآن و حدیث سے کیا ثابت ہے، حضور اقدس ﷺ وصحابہ کرام کا معمول بہ دستور کیا تھا؟ بعض بلند پایہ حضرات تو نفس ایصال ثواب ہی میں کلام کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔ میرے ملنے والوں میں ایک صاحب اسی خیال کے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ لوگ جو قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں۔ اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا کہ جناب کو یہ کس نے کہدیا یا خود جا کر عالمِ برزخ میں دیکھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کا کیا دھرا اکارت جاتا ہے۔ جن کو بھیجا جاتا ہے، انہیں نہیں پہونچتا۔ کیا راستہ میں رہزن رہتے ہیں کہ راہ ہی میں لوٹ لیتے ہیں، وہاں نہیں پہونچنے دیتے؟ بولے کیا آپ کے پاس پہونچنے کا کوئی ثبوت ہے؟ میں نے کہا بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، علمائے کرام کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ، جن کے لیے بھیجا گیا ان کی تصدیق۔

((عن أنس أن رجلاً سأل رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعو لهم، فهل يصل إليهم ذلك؟ فقال: نعم إنه يصل إليهم، ويفرحون كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدي إليه. رواه أبو حفص الكبير)). "امام ابو حفص کبیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم میت کی طرف سے صدقہ دیتے، حج کرتے، دعا کرتے ہیں تو کیا یہ سب چیزیں ان کو پہونچتی ہیں؟ فرمایا ہاں۔ وہ ان کو ضرور پہنچتی ہیں اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں

جس طرح تم میں سے ایک آدمی خوش ہوتا ہے، جب اس کے پاس طباق ہدیہ دیا جاتا ہے۔" (عینی شرح ہدایہ، ج۲، کشوری، ص۶۱۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ ج۲ مصری، ص۲۸۶ میں فرماتے ہیں:

((أخرج القاضي أبو بكر بن عبد الباقي الأنصاري في مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكي: خرجت ليلة إلى مقابر مكة فوضعت رأسي على قبر فنمت، فرأيت أهل المقابر حلقة حلقة، فقلت: قامت القيامة قالوا: لا، ولكن رجل من إخواننا قرأ: قل هو الله أحد، وجعل ثوابها لنا فنحن نقتسمه منذ سنة)). "قاضی ابو بکر بن عبد الباقی انصاری رحمہ اللہ اپنے مشائخ میں سلمہ بن عبید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: حماد مکی نے فرمایا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا۔ ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو قبرستان والوں کو دیکھا کہ حلقہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا قیامت قائم ہوگئی؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں، لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ھو اللّٰہ احد پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو اس کو ایک سال سے ہم لوگ بانٹ رہے ہیں۔" اگر ثواب پہونچا ہی نہیں تو کس چیز کو تقسیم کرتے تھے؟

اسی میں ہے ص۲۸۱:((قال النووي في الأذكار: قال محمد بن أحمد المروزي: سمعت أحمد بن حنبل يقول: إذا دخلتم المقابر فاقرءوا فاتحة الكتاب والمعوذتين وقل هو الله أحد, واجعلوا ثواب ذلك لأهل المقابر فإنه يصل إليهم)). "امام نووی شافعی کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں: محمد بن احمد مروزی تلمیذ فربری متوفی ۳۷۱ھ نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا، فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ تو "سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللّٰہ احد، قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس" پڑھو اور اس کا ثواب اس قبرستان والوں کو بخشو کہ وہ ان کو پہنچتا ہے"۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی مکتوبات جلد دوم ص ۵۹ مکتوب ۳۶ میں ہے: ”پیش ازیں بچند سال داب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام می پخت، مخصوص بہ روحانیت مطہرہ آل عبامی ساخت وبآں سرور، حضرت امیر و حضرت فاطمہ و حضرات امامین راضم می کرد علیہم الصلوات والتسلیمات۔ شبے در خواب می بیند کہ آں سرور حاضرست علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر بر ایشاں عرض سلام می کند، متوجہ فقیر نمی شوند وروبجانب دیگر دارند۔ دریں اثنا بفقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد۔ ایں زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آں بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ رادر آں طعام شریک نمی ساخت۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ رابلکہ سائر ازواج مطہرات راکہ ہمہ اہلبیت اند، شریک می ساخت وبجمیع اہلبیت توسل می نمود“۔

”اس سے چند سال پہلے فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کھانا پکاتا تھا تو ارواح مطہرہ آل عبا کے ساتھ مخصوص کرتا تھا اور آل حضور کے ساتھ، حضرت امیر المومنین علی اور حضرت فاطمہ اور حضرت امامین کو شامل کرتا تھا علیہم الصلوت والتسلیمات۔ ایک رات بندہ خواب میں دیکھتا ہے کہ آن سرور تشریف فرما ہیں: علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر ان پر سلام عرض کرتا ہے۔ متوجہ فقیر کی طرف نہیں ہوتے ہیں اور چہرہ اقدس دوسری طرف پھیرے ہوئے ہیں۔ اسی درمیان میں فقیر سے فرماتے ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ جو مجھے کھانا بھیجے عائشہ کے گھر میں بھیجے۔ اسی وقت فقیر نے سمجھا کہ حضور کے عدم توجہ کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت صدیقہ کو بلکہ تمامی ازواج مطہرات کو رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کہ سب کی سب اہل بیت ہیں، شریک کرتا تھا اور تمامی اہلبیت کے ساتھ توسل کرتا تھا“۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جن کی جلالت شان ہر کہ ومہ پر ظاہر ہے:(الدر الثمین فی مبشرات النبی الأمین).ص۸ میں تحریر فرماتے ہیں:((الحديث الثاني والعشرون: أخبرني السيد الوالد قال: كنت أصنع طعاماً صلة بالنبي فلم يفتح لي سنة من السنين شيء أصنع به طعاماً, فلم أجد إلا حمصاً مقلياً فقسمته بين الناس, فرأيته النبي ﷺ وبين يديه هذا الحمص مبتهجاً بشاشاً)). ”بائیسویں حدیث مجھے میرے سردار والد ماجد نے خبر دی کہ میں ہر سال نبی ﷺ کی ایصال ثواب کے لیے کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ فتوح نہ ہوا جس سے میں کھانا پکوا سکوں تو میں نے بھنا چنا منگوایا اور اسی کو لوگوں میں تقسیم کیا تو میں زیارت حضور اقدس ﷺ سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ حضور کے سامنے وہ بُھنا ہوا چنا رکھا ہے اور آپ بہت خوش اور بشاش ہیں“۔

معلوم ہوا کہ ثواب بدنی ہو جیسا کہ پہلے دو واقعہ میں یا مالی ہو جیسا کہ حضرت شیخ مجدد اور شاہ عبد الرحیم صاحب کے واقعہ میں یا دونوں کا مجموعہ جیسا کہ حدیث شریف کی مثال سے واضح، سب مردہ کو پہنچتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز ایصال ثواب کے لیے پکائی جاتی اور تقسیم کی جاتی ہے وہ بعینہ پہونچتی ہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قبل تحریر جواب اگر لفظ ثواب اور ایصال کی تحقیق کر لی جائے تو بہتر ہے۔ ثواب وہ عمل نہیں جس کی مقدار معین ہو اور ہر کام کرنے والے کو ملے۔ بہتیرے کام کرنے والے ہیں۔ جن کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا﴾[الفرقان: 23/25].
وقال تعالى:﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ, تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً﴾[الغاشية: 88/3-4]. ”اور قصد کیا ہم نے طرف اس کے جو انہوں نے عمل کیا تو اس کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا“۔ ”عمل کرنے والے مشقت اٹھانے والے داخل ہوں گی بھڑکتی آگ میں۔“

بلکہ وہ اجر اس عمل مقبول کا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے، اسی لیے اس کے لیے کوئی حد نہیں۔ جس نیت اور اخلاص عمل پر دس سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کے لیے خدا چاہے، ملتا ہے۔

قال تعالی:﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾[البقرة: 261/2]. ''ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو صرف کرتے ہیں، مثل اس ایک دانہ کے ہے جس سے سات بالیں اگیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں (تو مجموعہ سات سو ہوا) اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے اور زیادہ فرمائے''۔

آیت کریمہ اگرچہ مال کے متعلق وارد ہے مگر یہ مخصوص اسی کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس عمل پر جس کو چاہے اجر عطا فرمائے۔ کسی کو کسی عمل پر اجر بے پایاں دے تو خدا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اب رہا ایصال، یہ خدا کو وکیل کرنا نہیں کہ اس امر کا ثواب میرے نامۂ اعمال میں نہ لکھا جائے بلکہ فلاں شخص کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے، اس کو دیا جائے، اس لیے کہ وکیل اس میں صحیح ہے جو کام انسان خود کر سکتا ہے۔

ہدایہ جلد۳، ص۱۷۶ میں ہے:((كل عقد جاز أن يعقده الإنسان بنفسه جاز أن يوكل غيره)). ''جس کام کو انسان خود کر سکتا ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ثواب یہ شخص نہ خود لے سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تو اس میں کسی دوسرے کو وکیل بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایصال ثواب خداوند عالم سے دعا ہے کہ خداوندا میں نے جو یہ نیک کام تیرے لیے کیا ہے، اس کا ثواب مجھ کو اور میرے ساتھ فلاں فلاں اشخاص کو بھی اپنے فضل وکرم سے عطا فرما۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم ص۵۵ میں لکھتے ہیں: ”ہر عبادت کہ از مسلمان اور اشود، ثواب آں بروح کسے از گزشتگان رساند، طریق رسائیدن آن دعائے خیر بجناب الٰہی ست پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن ست و اگر آن کس کہ ثواب بروحش می رساند از اہل حقوق است، بہ مقدار حق وے خوبی رسانیدن ایں ثواب زیادہ تر خواہد شد۔ پس درخوبی ایں قدر امر ازا مور مروسومہ فاتحہ واعراس ونذر ونیاز کہ اموات شک وشبہ نیست“۔ ”جو عبادت مسلمان سے ادا ہو، اس کا ثواب اپنے گزرے ہوؤں میں سے کسی کی روح کو پہونچائے اور اس دعائے خیر کے پہونچانے کا طریقہ جناب الٰہی کے ذریعہ ہے تو یہ خود البتہ بہتر اور مستحسن ہے۔ اور اگر وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہونچاتا ہے، اس کے اہل حقوق سے ہے تو اس کے حق کے مقدار کے موافق اس ثواب کے پہونچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس وہ امور جو میت کے لیے مروج ہیں مثلاً فاتحہ اور اعراس اور نذر ونیاز کے، ان سب کی خوبی میں شک وشبہ نہیں“۔

اسی کے ص۶۴ میں ہے: ”ہر گاہ ایصال نفعے بمیت منظور دارد، موقوف براطعام نہ گذارد۔ اگر میسر باشد بہتر ست والا صرف ثواب سورۂ فاتحہ واخلاص بہترین ثواب است“۔

”جس وقت کسی کو میت کو نفع پہونچانا منظور ہو تو چاہیے کہ وہ اس نفع کو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے۔ اگر بروقت کھانا میسر ہو جائے تو بہتر ورنہ صرف سورہ فاتحہ، اخلاص کا ثواب ہی بہترین ثواب ہے“۔

اسی لیے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایک آیت یا ایک سورہ پڑھ کر مثلاً دس آدمی کو اس کا ثواب بخشے تو دسوں کو پورا پورا ثواب اس آیت یا سورہ کا ملے گا۔

علامہ شامی جلد اول ردالمختار، ص۸۴۵میں فرماتے ہیں: ((سُئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمع بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل)). ''علامہ ابن حجر سے سوال ہوا کہ کوئی شخص مقبرہ والوں کو فاتحہ پڑھ کر بخشے تو کیا سورہ فاتحہ کا ثواب انہیں بٹ کر ملے گا یا سب کو پورا پورا ثواب سورہ فاتحہ کا پہونچے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور یہی اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل کے لائق ہے''۔

مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب بست و ہشتم، ص۵۴ میں ہے: ''اگر بروحانیت یکے تصدق کردہ سائر مومناں راشریک سازد، بہمہ برسد وازآں شخص کہ بنیت اود ادہ بود ہیچ نقصان نہ کندان ربك واسع المغفرة''۔ ''اگر ایک کی روحانیت کے لیے صدقہ کرکے سارے مومنین کو شریک کرلے تو سب کو (ثواب برابر) پہونچے گا اور جس کی نیت سے (صدقہ) دیا گیا، اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ بے شک تیرا رب (تبارک وتعالیٰ) وسیع مغفرت والا ہے''۔

نیز یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ایصال ثواب جس طرح مردوں کے لیے ہوتا ہے۔ زندوں کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ ثواب پہنچانے کے لیے مردہ ہونا کچھ ضروری نہیں،۔ یہ محض عامیانہ خیال ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ثواب مردہ ہی کو بخشا جاسکتا ہے۔ زندوں کے لیے ایصال ثواب سن کر ان کو سخت حیرت ہوتی ہے۔

شامی جلد۲، ص۲۴۲میں ہے: ((قوله: بغيره. أي: الأحياء والأموات. بحر عن البدائع)). ''ان کا کہنا ہے کہ اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشنا تو جائز ہے۔ یعنی ماتن نے جو کہا کہ: ((الأصل أن كل من أتى بعبادة ما, له جَعلُ ثوابها لغيره)). یعنی اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے اس

کو حق ہے کہ اس کا ثواب غیر کو دے۔ چاہے وہ غیر زندہ ہو یا مردہ دونوں کو ثواب پہونچا سکتا ہے"۔

شامی جلد اول، ص۸۴۴ میں ہے: ((وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة. كذا في البدائع، ثم قال: وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتاً أو حياً. والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوي به عند الفعل للغير أو يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره، لإطلاق كلامهم، وأنه لا فرق بين الفرض والنفل. انتهى)). "بحر الرائق میں ہے کسی نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ دیا اور اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشا تو جائز ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس کا ثواب ان لوگوں کو پہونچے گا۔ اسی طرح بدائع میں ہے۔ پھر کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس کو ثواب بخشیں وہ مردہ ہو یا زندہ اور نہ فرق اس میں ہے کہ کام کرتے وقت اس غیر کی نیت سے کیا جائے یا اپنے لیے کریں اور اس کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو بخشیں۔ اس لیے کہ کلام ان کا مطلق ہے اور اس بارے میں فرض اور نفل میں بھی کوئی فرق نہیں"۔

بالجملہ ایصال ثواب کسی عمل خیر فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح و مجاز شرعی، بدنی یا مالی یا دونوں کے مجموعہ کا کسی کے نفع اخروی کی نیت سے کرنا یا بغیر نیت کسی دوسرے کے خود اپنے لیے کرے، اس وقت یا کچھ بعد زبان سے یا فقط دل سے خداوند عالم سے دعا کرنا ہے کہ اس کا ثواب فلاں شخص یا اشخاص مردہ یا زندہ کو پہونچے۔ اب ان تمام تمہیدات کے بعد اصل سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ فأقول وبالله التوفيق۔

قرآن شریف میں مردوں کے لیے ایصال ثواب کے متعدد طریقے بتائے گئے ہیں۔ ان میں جس طریقہ کو انجام دے گا، مردے کو ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص سب طریقے بجالائے تو اور بہتر ہے۔

(اوّل) مغفرت کی دعا کرنا:

قال تعالی:﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾[الحشر: 10/59]. ”اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں، خداوندا! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں“۔

تفسیر کبیر جلد۸، ص۱۷۹ میں اس آیۃ کریمہ کے تحت میں ہے: ((اعلم أن قوله: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ عطف أيضاً على الْمُهَاجِرِينَ وهم الذين هاجروا من بعد، وقيل: التابعون بإحسان, وهم الذين يجيئون بعد المهاجرين والأنصار إلى يوم القيامة، وذكر تعالى أنهم يدعون لأنفسهم ولمن سبقهم بالإيمان، وهو قوله: ﴿يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنا وَلِإِخْوانِنَا ...﴾ الآية. واعلم أن هذه الآيات قد استوعبت جميع المؤمنين؛ لأنهم إما المهاجرون أو الأنصار أو الذين جاءوا من بعدهم، وبين أن شأن من جاء من بعد المهاجرين والأنصار أن يذكر السابقين وهم المهاجرون والأنصار بالدعاء والرحمة, فمن لم يكن كذلك بل ذكرهم بسوء كان خارجاً من جملة أقسام المؤمنين بحسب نص هذه الآية)).اللہ تعالیٰ کا قول﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ عطف ہے الْمُهَاجِرِينَ پر اور وہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعد کو ہجرت کی اور بعضوں نے کہا کہ جو لوگ بھلائی کے ساتھ ان کے تابع ہوئے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے لیے دعا کرتے ہیں اور

ان لوگوں کے لیے جو ایمان لانے میں ان سے سابق ہوئے اور وہ باری تعالیٰ کا ارشاد: ﴿یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا ...﴾ ہے۔ اور جان لو کہ ان آیات نے مسلمانوں کی تمام قسموں کا استیعاب کرلیا۔ اس لیے کہ مومنین یا مہاجرین ہیں یا انصار یا جو لوگ کہ ان کے بعد ہوئے اور بیان فرمایا کہ مہاجرین وانصار کے بعد جو لوگ ہوئے، ان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ اگلے لوگوں یعنی مہاجرین وانصار کو دعائے خیر اور رحمت کے ساتھ یاد کریں اور جو شخص ایسا نہیں بلکہ انہیں برائی کے ساتھ یاد کرے تو وہ بحکم آیۃ کریمہ مسلمانوں کے تمام اقسام سے خارج ہے۔"

جمل حاشیہ تفسیر جلالین مصری، ج۴، ص۳۱۷ میں ہے: ((قوله: ﴿الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ﴾. كلٌّ واحد من القائلين لهذا القول يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من غير فاصل، وينتهي إلى عصر النّبيّ ﷺ فيدخل في إخوانه الذين سبقوه بالإيمان جميع من تقدَّمه من المسلمين، ولا يقصد بالذين سبقوه خصوص المهاجرين والأنصار لقصوره، وإن كان أصل سبب النزول. انتهى. شيخنا يعني: الذين سبقونا بالإيمان)).(الذين سبقونا بالإيمان) سے مراد یہ ہے کہ ہر کہنے والا اس قول کا من سبقہ سے ان کو مراد لے جو لوگ اس زمانہ سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ تک انتقال کرچکے ہیں تو اس صورت میں اس کے اخوان سابقین بالایمان میں تمامی وہ سب مسلمان داخل ہوں گے جو اس سے پہلے انتقال کرچکے ہیں اور اس سے فقط مہاجرین وانصار مراد نہ لے کہ اس میں تنگی اور کمی ہے اگرچہ وہی لوگ اس آیت کے اصل سبب نزول ہیں"۔

اسی طرح صاوی حاشیہ تفسیر جلالین، ج۴، ص۱۹۶/ میں ہے: ((وعبارته هكذا: الذين سبقونا بالإيمان، أي: بالموت عليه فينبغي لكل واحد من القائلين لهذا القول أن يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من زمنه إلى عصر النبي صلى الله عليه وسلم فيدخل جميع من تقدمه من المسلمين)). "جب مسلمان دعا

کرے اور اس میں ”اغفرلنا ولاِ خواننا الذین سبقونا بالایمان“ کہے تو اس سے یہ قصد کرے کہ جو لوگ ہم سے پہلے سابق بالایمان ہوئے ہیں یعنی جو لوگ اس کے زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک تک انتقال کر چکے ہیں تو اس میں تمامی گزشتہ مسلمان داخل ہو جائیں گے۔“

قونوی حاشیہ تفسیر بیضاوی مصری جلد۷، ص۱۵۶/ میں ہے:((قوله: يقولون: الآية, وفيه ترغيب للخلف, الدعاء للسلف لا سيما العلماء الأقدمين فإنهم آباء تعليم الدين, وإن الدعاء بالمغفرة أهم)). ”اس آیۃ کریمہ میں خلف کو رغبت دینا ہے سلف کے لیے دعا کرنے کی خصوصاً اگلے علما کے لیے کہ وہ دینی تعلیم کے باپ ہیں اور یہ مغفرت کی دعا سب سے اہم ہے۔“

حاشیہ شہاب خفاجی علی البیضاوی مصری جلد۸، ص۱۸۰ ہے: ((وجملة يقولون حالية، والمراد بدعاء اللاحق للسابق، والخلف للسلف إنهم متبعون لهم أو هو تعليم لهم بأن يدعوا لمن قبلهم، ويذكروهم بالخير)). ”اس آیہ کریمہ میں جملہ یقولون الایۃ جملہ حالیہ ہے اور سابق کے لیے لاحق اور سلف کے لیے خلف کی دعا کا یا تو یہ مطلب ہے کہ وہ ان کے متبع ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں یا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تعلیم ہے کہ خلف کو چاہے کہ سلف کے لیے دعا کیا کریں اور ان کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا کریں“۔

تفسیر روح البیان مصری، جلد۵، ص۲۱۰ میں ہے: ((وفي الآية دليل على أن الترحم والاستغفار واجب على المؤمنين الآخرين للسابقين منهم لا سيما لآبائهم ومعلمهم أمور الدين)). ”آیۃ کریمہ ربنا اغفرلنا میں اس امر پر دلیل ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کے لیے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا پچھلے مسلمانوں پر واجب ہے۔ خصوصاً اپنے آباواجداد اور دینی علوم کے اساتذہ کرام کے لیے“۔

قوت القلوب حضرت ابو طالب مکی، جلد۲، ص۲۴۸ میں ہے: ((قال بعض العلماء: لو لم يكن في اتخاذ الإخوان إلا أنّ أحدهم يبلغه موت أخيه فيترحم عليه ويدعو له، فلعله يغفر له بحسن نيته له ويقال: مَنْ بلغه موت أخيه فترحم عليه واستغفر له، كأنه شهد جنازته وصلّى عليه، وقد روينا عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مثل الميت في قبره مثل الغريق يتعلق بكل شيء، ينتظر دعوة من ولد أو والد أو أخ، وأنه ليدخل على قبور الأموات من دعاء الأحياء، من الأنوار أمثال الجبال ويقال: الدعاء للأموات بمنزلة الهدايا للأحياء في الدنيا، قال: فيدخل الملك على الميت معه طبق من نور، عليه منديل من نور فيقول: هذه هدية من عند أخيك فلان، من عند قرينك فلان قال: فيفرح بذلك، كما يفرح الحي بالهدية)).

"بعض علما کہتے ہیں کہ اگر اخوان بنانے میں اور کوئی فائدہ نہ ہو تو یہ کیا کم ہے کہ کسی شخص کو اس کے دینی بھائی کے مرنے کی خبر پہونچتی ہے، وہ اس پر ترحم کرتا، اس کے لیے دعا کرتا ہے تو شاید دعا کرنے والے کی نیک نیّتی سے اس میت کی مغفرت کر دی جائے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس شخص کو اس کے بھائی کے مرنے کی خبر پہونچی پس اس نے اس پر ترحم کیا اور مغفرت کی دعا کی تو گویا اس کے جنازہ میں حاضر ہوا اور جنازہ کی نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ ﷺ سے روایت پہونچی ہے کہ میت کی مثال قبر میں ایسی ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہر چیز کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ وہ دعا کے انتظار میں ہے کہ لڑکا دعا کرے یا باپ یا بھائی اور بیشک زندوں کی دعا کی برکت سے مردوں کی قبور میں پہاڑ ایسے انوار داخل ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ مردوں کے لیے دعا کرنا ایسا ہے جیسے دنیا میں زندوں کو ہدیہ دینا۔ کہا گیا کہ فرشتہ میت کے پاس جاتا ہے۔ اس کے ساتھ نور کا طباق ہوتا ہے جو نور کے رومال سے

چھپا ہوتا ہے اور کہتا ہے: یہ تحفہ تیرے فلاں بھائی کا ہے جو فلاں جگہ کا رہنے والا ہے تو وہ مردہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے جس طرح زندہ ہدیہ پا کر خوش رہتا ہے"۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم مصری جلد ۱۰، ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: ((عن ابن عباس عن النبي ﷺ: مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا شِبه الْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ، يَنْتَظِرُ دَعْوَةً مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ صَدِيقٍ ثِقَةٍ، فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَتْ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْدنيا أَمْثَالَ الْجِبَالِ، وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ. والصَّدقة عَنهُم. رواه الديلمي في مسند الفردوس، ورواه البيهقي في شعب الايمان)).

"دیلمی مسند الفردوس اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا راوی کہ نہیں ہے مردہ اپنی قبر میں مگر مثل ڈوبتے ہوئے کہ، طالب، فریادرس ہے انتظار کر رہا ہے باپ یا ماں یا معتمد دوست کی دعا کا، تو جب دعا اسے پہونچتی ہے اس کی دنیا ومافیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑ جیسے خیر وبرکات وانوار داخل کرتا ہے اور بیشک مردوں کے لیے زندوں کا تحفہ ان کی مغفرت چاہنا اور ان کی طرف سے صدقہ دینا ہے"۔

حضرت شیخ مجدد اکثر تعزیتی خطوط میں اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے دعا و صدقہ کی ہدایت فرماتے ہیں:

مکتوبات جلد اول، ص ۱۱۰، مکتوب ہشتا دو نہم میں ہے: "مرحومہ شما دریں اواں بسے مغتنم بودند۔ الحال بر شمایاں لازم است کہ مکافات احسان باحسان بکنید وبدعا وصدقہ ساعت بساعت مدد نمائند: ((فإن الْمَيِّت كَالْغَرِيقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ))۔ "تمہارے (میت) مرحومہ بڑے احسان کرنے والے تھے۔ اب تم پر یہ لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو

اور دعا اور صدقہ سے ہر وقت ان کی مدد کرو اس لیے کہ میت مثل غریق کے ہے۔ انتظار کرتا ہے اپنے رشتہ داروں باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعاؤں کا جو اسے پہونچتی ہے"۔

نیز مکتوب جلد اول، ص۱۲۱، مکتوبات صدو چہارم میں ہے:"مصیبت بر رفتن نیست بر حال رونده الیٰ الحبیب ست تا باوچہ معاملہ کنند۔ بدعا و استغفار و تصدق امداد باید نمود: ((قال رسول اللہ ﷺ: مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ، يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ. إلى قوله: وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ)). "مصیبت جانے پر نہیں ہے (بلکہ) دوست کی طرف جانے والے کے حال پر ہے یہاں تک کہ مردہ منتظر رہتا ہے کہ دیکھیں لوگ کس طرح (میرے دوست) معاملہ کرتے ہیں (لہٰذا) دعا اور استغفار اور تصدق کے ذریعہ مدد کرنی چاہیے۔ (جیسا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت قبر میں مثال ڈوبنے والے، فریاد کرنے والے کے ہے۔ انتظار کرتا ہے ان دعاؤں کا جو پہونچتی ہیں اس کو باپ یا ماں یا دوست کی طرف سے۔ الیٰ قولہ۔ بیشک زندوں کے تحفے مردوں کے لیے ان کے (مردوں) لیے استغفار کرنا ہے"۔

قرآن شریف کے آیت، تفاسیر کی عبارت، علمائے کرام کی صراحت، احادیث کی دلالت نے مردوں کے لیے ایصال ثواب کے طریقہ کو بہت صاف طور پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں پر نہ صرف مستحب بلکہ بقول علامہ حقی واجب ہے کہ گزشتہ مسلمانوں خصوصاً اپنے آباؤ اجداد و علمائے کرام و مشائخ عظام کے ایصال ثواب کے لیے ان کی مغفرت کی دعا کیا کریں ورنہ حسب تصریح امام رازی مسلمانوں کی تیسری قسم بھی شامل ہونا معلوم۔

(دوم) ماں باپ کے لیے خدائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا:

قال تعالی: ﴿ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴾ [الإسراء: 24].
"ماں باپ کے لیے دعا کرو اور کہو! کہ خداوندا ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپنے میں مجھے پالا"۔

تفسیر روح المعانی مصری جلد۳، ص۵۰۸ میں ہے: (والظاهر أن الأمر للوجوب, فيجب على الولد أن يدعو لوالديه بالرحمة). "اس آیت سے ظاہر یہ بات ہے کہ اولاد پر واجب ہے کہ والدین کے لیے رحمت کی دعا کیا کریں"۔ اس لیے کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

حمل مصری حاشیہ تفسیر جلالین، جلد۲، ص۶۲۲ میں ہے: ((قوله: وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا. أي: ادع لهما ولو خمس مرات في اليوم والليلة. كذا في الصاوي. جلد 2 ص 271)). آیۃ کریمہ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا کے یہ معنی ہیں کہ ماں باپ کے لیے رحمت کی دعا کیا کرے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم دن رات میں صرف پانچ ہی دفعہ سہی"۔

تفسیر روح البیان، جلد۵، ص۱۴۸ رمیں ہے: ((وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا وادع الله أن يرحمهما برحمته الباقية ولا تكتف برحمتك الفانية)). "اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اپنی رحمت باقی کے ساتھ ان پر رحم کرے۔ تم فقط اپنی رحمت فانی پر اکتفانہ کرو کہ جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ سلوک کرو"۔

اسی میں ہے:((سئل ابن عيينة عن الصدقة عن الميت فقال: كل ذلك واصل إليه ولا شيء أنفع له من الاستغفار, ولو كان شيء أفضل منه لأمرت به في الأبوين, ويعضده قوله عليه السلام: (إن الله ليرفع درجة العبد في الجنة فيقول: يا رب أنى لي هذا؟ فيقول: باستغفار ولدك). وفي الحديث: (من زار

قبر أبويه أو أحدهما في كل جمعة كان باراً)). "ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا کیسا ہے اور یہ پہونچتا ہے کہ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ اس کے لیے کیا جائے گا، سب اس کو پہونچے گا اور کوئی چیز استغفار سے بڑھ کر نہیں۔ اس لیے کہ اگر کوئی چیز استغفار سے افضل ہوتی تو والدین کے حق میں اسی کا حکم ہوتا اور اس کی تائید حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندہ کا درجہ بلند فرمائے گا۔ وہ بندہ کہے گا میرے مولیٰ یہ رتبہ مجھ کو کس طرح ملا؟ ارشاد ہو گا کہ تیرے لڑکے کے استغفار کی وجہ سے اور حدیث شریف میں کہ جو شخص جمعہ کے دن ماں باپ یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کیا کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بار یعنی نیکوکار گنا جائے گا"۔

تفسیر ابی مسعود علی ہامش تفسیر کبیر، جلد ۵، ص ۵۷۲ میں ہے: ((ولا تكتف برحمتك الفانية بل ادع الله تعالى لهما برحمته الواسعة الباقية, وقل رب ارحمهما برحمتك الدنيوية والأخروية التي من جملتها الهداية إلى الإسلام, فلا ينافي ذلك كفرهما)). "والدین کے حق میں فقط اپنی فانی رحمت پر اکتفا نہ کر بلکہ ان دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے اس کی وسیع باقی رحمت کے لیے دعا کر اور یوں کہہ کہ خداوندا! ان دونوں پر اپنی دنیوی واخروی رحمت کے ساتھ رحم فرما اور منجملہ اخروی رحمت کے اسلام کی طرف رہبری بھی ہے تو اگر کسی کے ماں باپ کافر ہوں، جب بھی اس دعا مضائقہ نہیں۔ اس لیے کہ کفر اس دعا کے منافی نہیں"۔

(سوم) میت کے لیے نماز جنازہ پڑھنا:

قال تعالى: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾ [التوبة: 103/9].
"اور ان کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھیے اس لیے کہ آپ کا ان پر نماز جنازہ پڑھنا ان کے لیے سکون ووقار ہے"۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ اول دعا مغفرت کرنا۔ اس معنی سے یہ پہلے طریقہ کی دلیل ہو گی اور بعض علمانے اس آیت کی تفسیر نماز جنازہ سے کی ہے۔ تب یہ آیت تیسری صورت کی دلیل ہو گی۔

تفسیر البحر المحیط، جلد۵، ص۹۵ میں ہے: ((قال في الكافي: الصلاة على الميت مشروعة لقوله تعالى: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾ [التوبة: 103/9])). ”کافی میں ہے کہ جنازہ کی نماز مشروع ہے اور اس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾ ہے۔

تفسیر روح المعانی، جلد۳، ص۳۲۵ میں ہے: (والحمل على صلاة الميت بعيد وإن رُوي عن ابن عباس رضي الله عنهما). آیۃ کریمہ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ سے نماز جنازہ مراد لینا بعید ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے“۔

اس عبارت نے اتنا پتہ دیا کہ صَلِّ عَلَيْهِمْ سے نماز جنازہ مراد لینا نہ صرف صاحب البحر المحیط اور صاحب کافی کی ذاتی رائے ہے بلکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی و منقول ہے۔ رہا علامہ آلوسی بغدادی مولف روح المعانی کا باوجود روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کو بعید بتانا، عقل و علم سے بعید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جلالتِ شان علمی اور وہ بھی خاص فن تفسیر میں اس سے ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعاء:(اللهم علِّمه الكتاب). فرمائی۔ وہ اس آیت کی یہ تفسیر فرماتے ہیں اور الفاظ قرآن اس کو مقتضی۔ علمائے کرام نماز جنازہ کے ثبوت واستدلال میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ روح البیان والے اس کو نقل کرکے مقرر رکھتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے علامہ آلوسی اس کو بعید کہتے ہیں۔

ثابت بالحدیث اور صحابی کے قول کو تفسیر قرآن میں بعید بتانا، سخت جرأت اور شان علم و عقل سے بہت ہی بعید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تفسیر الدر المنثور جلد ۳، ص ۲۷۵ میں اس آیت کی تفسیر میں منجملہ اور احادیث کے ایک یہ حدیث لکھتے ہیں: ((وَأخرج ابْن أبي شيبَة عَن خَارِجَة بن زيد عَن عَمه يزِيد بن ثَابت - وَكَانَ أكبر من زيد - قَالَ: خرجنَا مَعَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَلَمَّا وردنا البقيع إِذا هُوَ بِقَبْر جَدِيد فَسَأَلَ عَنهُ فَقَالُوا: فُلَانَة فعرفها فَقَالَ: أَفلا آذنتموني بهَا قَالُوا: كنت قَائِلاً فكرهنا أَن نؤذيك فَقَالَ: لَا تفعلُوا مَا مَاتَ مِنْكُم ميت مَا دمت بَين أظْهركُم إِلَّا آذنتموني بِهِ فَإِن صَلَاتي عَلَيْهِ رَحْمَة)). ابن ابی شیبہ نے حضرت یزید بن ثابت سے روایت کیا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ جب جنت البقیع پہونچے تو حضور نے ایک نئی قبر ملاحظہ فرمائی۔ آپ نے پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں عورت کی قبر ہے تو آپ نے اس کو پہچان لیا۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ خبر دی؟ لوگوں نے کہا حضور قیلولہ فرما رہے تھے، اس لیے ہم نے ناپسند کیا کہ حضور کو تکلیف دیں۔ ارشاد ہوا کہ ایسا نہ کرو۔ جب تک میں تم میں ہوں تو نہ انتقال کرے تم میں کوئی شخص مگر مجھے ضرور خبر دیا کرو۔ اس لیے کہ میرا نماز پڑھنا میت کے لیے رحمت ہے"۔((والحديث رواه ابن ماجة في سننه وابن حبان في صحيحه والحاكم في المستدرك في فضائل وسكت عنه، وروى نحوه البخاري ومسلم ص 310 وأبو داود الطيالسي ص 321)).

اس مسئلہ کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾[التوبة: 84/9].
یعنی منافقین میں جو شخص مرجائے اس کی جنازہ کی نماز آپ نہ پڑھیں۔

تفسیر بیضاوی شریف میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ہے: ((والمراد من الصلاة الدعاء للميت والاستغفار له وهو ممنوع في حق الكافر)). ”صلاۃ سے مراد میت کے لیے دعا اور اس کے لیے مغفرت چاہنا ہے اور کافر کے لیے یہ منع ہے“۔

حاشیہ خفاجی علی البیضاوی، جلد ۴، ص ۳۵۲ میں ہے: ((إن المراد بالصلاة عليه صلاة الميت المعروفة، وإنما منع منها عليه لأنّ صلاة الميت دعاء، واستغفار واستشفاع له، وقد منع من الدعاء لميتهم فيما تقدم في هذه السورة لقوله تعالى أن المراد بالصلاة عليه صلاة الميت المعروفة، وإنما منع منها عليه لأنّ صلاة الميت دعاء، واستغفار واستشفاع له، وقد منع من الدعاء لميتهم فيما تقدم في هذه السورة [المنافقون: 6/63]. وقوله تعالى: ﴿ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴾[التوبة: 80/9])). ”اس آیت میں صلاۃ سے مراد نماز جنازہ معروفہ ہے اور منافقین کے لیے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنا، دعا واستغفار اور شفاعت کرنا ہے اور منافق مردوں کے لیے دعا کرنا پہلے غیر مفید وممنوع ہو چکا ہے۔ ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہر گز نہیں بخشے گا“۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب منافقین کے لیے استغفار، دعا، نماز جنازہ ممنوع ہے تو ضروری ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ سب باتیں نہ فقط جائز بلکہ مامور ومشروع ہوں ورنہ ان کی تبکیت وتذلیل کیا ہو گی؟

امام رازی تفسیر کبیر، جلد ۴، ص ۷۰۹ میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں: ((اعلم أنه تعالى أمر رسوله بأن يسعى في تخذيلهم وإهانتهم وإذلالهم، فالذي سبق ذكره في الآية الأولى وهو منعهم من الخروج معه إلى الغزوات سبب قوي من أسباب إذلالهم وإهانتهم، وهذا الذي ذكره في هذه الآية، وهو منع الرسول من أن يصلي على من مات منهم، سبب آخر قوي

في إذلالهم وتخذيلهم)). اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ منافقین کے رسوا کرنے، اہانت کرنے، ذلیل کرنے کی کوشش کریں تو آیت گزشتہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جانے کی ممانعت کرنا، ایک قوی سبب ان کے ذلت واہانت کا ہے اور جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی نبی ﷺ کو ان کی نماز جنازہ سے روک دینا، ان کی تذلیل ورسوائی کا دوسرا اقوی سبب ہے"۔

(چہارم) مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور اس جگہ ٹھہرنا:

قال: ﴿ وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ ﴾[التوبة: 84/9].

تفسیر بیضاوی میں ہے: (ولا تقف عند قبره للدفن أو للزيارة).

حاشیہ قونوی علی البیضاوی، جلد۴، ص۱۷ میں ہے: ((أي: النهي عن القيام نهي عن الوقوف مطلقاً كناية أو مجازاً, وكان ﷺ يقوم على قبور المنافقين ويدعو لهم ثم نهى عن ذلك حين مات رئيس المنافقين)). "قیام سے ممانعت مطلقاً ٹھہرنے سے کنایتاً یا مجازاً ممانعت ہے اور حضور اقدس ﷺ پہلے منافقین کی قبروں پر بھی ٹھہرتے اور ان کے لیے دعا کرتے تھے۔ جب رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی مرا تو اس سے ممانعت ہو گئی"۔

تفسیر کبیر، جلد۴، ص۱۰۷ میں ہے: ((ثم قال تعالى: وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ وفيه وجهان: الأول: قال الزجاج: كان رسول الله ﷺ إذا دفن الميت وقف على قبره ودعا له، فمنع هاهنا منه. الثاني: قال الكلبي لا تقم بإصلاح مهمات قبره)). "آیت کریمہ وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ کی دو تفسیریں ہیں۔ اول زجاج نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب کسی میت کو دفن کرتے، اس کی قبر پر ٹھہرتے اس کے لیے دعا کرتے تو اس سے منع کر دیئے گئے کہ مہمات قبر کی اصلاح کے لیے آپ منافقوں کی قبر پر نہ ٹھہریں"۔

تفسیر ابو سعود، جلد۴، ص۲۰۷ میں ہے: (أي: لا تقف عليه للدفن أو للزيارة أو للدعاء). "منافق کی قبر پر آپ کھڑے نہ ہوں، نہ دفن کے لیے، نہ زیارت کے لے، نہ دعا کے واسطے"۔

تفسیر روح البیان، جلد۲، ص۵۵۹ میں ہے: ((وَلا تَقُمْ عَلى قَبْرِهِ, أي: لا تقف عليه عند قبره للدفن او للزيارة والدعاء وكان النبي عليه السلام إذا دفن الميت وقف على قبره ودعا له, إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ تعليل للنهى على أن الاستغفار للميت والوقوف على قبره إنما يكون لاستصلاحه وذلك مستحيل في حقهم لأنهم استمروا على الكفر بالله وبرسوله مدة حياتهم, قال الحافظ:

به آب زمزم وکوثر سفید نتوان کرد

کلیم بخت کسی را که بافتند سیاه))

آیت کریمہ: (وَلا تَقُمْ عَلى قَبْرِهِ) کے یہ معنی ہیں کہ آپ منافق کی قبر پر نہ ٹھہریں دفن یا زیارت اور دعا کے لیے اور حضور اقدس ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب مردہ دفن کیا جاتا تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور اس کے لیے دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:(إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ) اس نہی کی علت ہے۔ اس لیے کہ میت کے لیے استغفار اور اس کی قبر پر ٹھہرنا، اس کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے اور یہ منافقوں کے حق میں محال ہے، چونکہ وہ مدۃ العمر اللہ ورسول کے ساتھ کفر پر مستمر رہے، جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا:

"جس کے نصیبے کے گلیم کی بنت ہی سیاہ ہو، اسے کوثر وزمزم کا پانی بھی سفید نہیں کر سکتا۔ ۱۲ اساحل"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ان سیہ بختان قسمت کے حق میں ان کے کفر کے سبب غیر مفید ہونے کے وجہ سے جب قبر پر ٹھہرنا منع کر دیا گیا تو مسلمانوں کے لیے وہ حکم بدستور باقی رہا چونکہ ان کے لیے مفید ہے۔

بالجملہ قرآن شریف کی ان آیات کریمہ سے ایصال ثواب کے چار طریقے ثابت ہوئے۔ اوّل دعائے مغفرت، دوّم دعائے رحمت، سوّم نماز جنازہ چہارم قبر پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔ ان میں نماز جنازہ کی ترکیب تو مفصل طریقے پر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ رہا دعائے مغفرت و دعائے رحمت کرنا اور قبر پر ٹھہرنا تو قرآن شریف میں اس کا مفصل بیان مذکور نہیں کہ کس طرح دعا کرنی چاہیے اور اس کے آداب و شرائط کیا ہیں؟ لیکن اہل علم و فہم پر مخفی نہیں کہ جب یہ دعا ہے تو جو آداب و شرائط دعا کے اپنی جگہ مرقوم و مکتوب ہیں، اس دعا کے لیے بھی ان کا لحاظ ضروری ہے۔ وہ بہت امور ہیں جن کا مفصل بیان اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مستقل تصنیف "احسن الوعاء لآداب الدعاء" اور اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت شیخ الاسلام والمسلمین (۱۳۴۰ھ) سید مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی کے حاشیہ مسمی بہ "ذیل المدعا لاحسن الوعا" میں مذکور ہے۔ اگر ان سب امور کا لحاظ نہ کر سکیں تو کم از کم دو تین بات کا خیال کرنا ضروری ہے تاکہ جو دعا کریں، امید قبولیت قوی ہو۔

اوّل: کچھ سورتیں یا آیتیں قرآن شریف کی پڑھیں کہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔

کنزالعمال جلد۱، ص۱۲۹ ہے: ((عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إن لقارئ القرآن دعوة مستجابة فإن شاء صاحبها عجلها في الدنيا وإن شاء أخرها إلى الآخرة رواه ابن مردويه)). "قرآن شریف پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے تو اگر چاہے دنیا میں جلد لے لے اور اگر چاہے آخرت کے لیے موخر کرے"۔

اسی میں ہے ص۱۳۲: ((عن أبي أمامة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: خَيْرُكُمْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَأَقْرَأَهُ، إِنَّ لِحَامِلِ الْقُرْآنِ دَعْوَةً مُسْتَجَابَةً يَدْعُو بِهَا فَيُسْتَجَابُ لَهُ. رواه البيهقي في شعب الايمان)). "تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف پڑھے اور قرآن شریف پڑھائے اور حافظ قرآن کی دعا مستجاب ہوتی ہے جو دعا کرتا ہے قبول کی جاتی ہے"۔

اسی میں ہے، ص۱۳۳: ((عن عمران بن حصين قال قال رسول الله ﷺ:«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللهَ بِهِ فَإِنَّهُ سَيَأْتِي أَقْوَامٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ وَيَسْأَلُونَ النَّاسَ بِهِ» رواه ابن أبي شيبة والطبراني في الكبير والبيهقي في شعب الإيمان)). "جو شخص قرآن شریف پڑھے، اسے چاہیئے کہ خداوند عالم سے اس کے وسیلے سے سوال کرے اس لیے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن پڑھے گی اور لوگوں سے اس کے ذریعے سوال کرے گی"۔

اب رہی یہ بات کہ کون کون سی سورہ پڑھے۔ کون کون سی آیتیں پڑھے؟ اس میں اختیار ہے۔ کوئی خاص سورہ ضروری نہیں۔ ہاں! جن جن سورتوں کا ثواب خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے، جیسے سورۂ فاتحہ یا اول و آخر بقرہ، آیۃ الکرسی، سورہ یٰسین، انا اعطینا، قل یا یھا الکفرون، قل ہو اللہ، معوذتین وغیرہ ان کا پڑھنا افضل واعلیٰ ہے۔

کنز العمال جلدا، ص۱۳۹ میں ہے: ((عن أبي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:« مَا أَنْزَلَ اللهُ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ مِثْلَ أُمِّ الْقُرْآنِ، وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي». رواه الترمذي والنسائي)). "توریت و انجیل میں کوئی سورہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے مثل نہیں نازل کی اور یہ سبع مثانی ہے"۔

اسی میں ہے، ص۱۳۹: ((عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فَاتِحَةَ الْقُرْآن لتجزي مَا لَا يَجْزِي شَيْء من الْقُرْآن وَلَو أَن

فَاتِحَة الْكتاب جعلت فِي كفة الْمِيزَان وَجعل الْقُرْآن فِي الكفة الْأُخْرَى فضلت فَاتِحَة الْكتاب على الْقُرْآن سبع مَرَّات. رواه الديلمي في مسند الفردوس)). ''سورہ فاتحہ اس کام میں کفایت کرتی ہے کہ کوئی چیز قرآن سے کفایت نہیں کرتے اور اگر سورہ فاتحہ ایک پلہ میں رکھی جائے اور بقیہ قرآن دوسرے پلہ میں تو سورۂ فاتحہ اس سے سات گنا زیادہ ہو۔ اس کی دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے''۔((وعن أنس قال قال رسول الله ﷺ: أفضل القرآن الحمد لله رب العالمين.(رواه الحاكم والبيهقي في شعب الإيمان)). سورۂ فاتحہ قرآن شریف میں سب سے افضل ہے''۔

اسی میں ہے: ((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضي الله عنه قَالَ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أَرْبَعُ آيَاتٍ نَزَلْنَ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ، أُمّ الْكِتَابِ وَآيَةُ الْكُرْسِيّ، وخواتيم الْبَقَرَةِ، وَالْكَوْثَرُ. رواه الطبراني في الكبير وأبو الشيخ والضياء)). ''چار سورتیں ہیں جو اس خزانہ سے نازل کی گئیں جو عرش کے نیچے ہے سورۂ فاتحہ آیۃ الکرسی سورۂ بقرہ اور سورۂ کوثر''۔

اسی میں ہے، ص۱۴۰: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ، وَإِنَّ سَنَامَ القُرْآنِ سُورَةُ البَقَرَةِ وَفِيهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ القُرْآنِ، هِيَ آيَةُ الكُرْسِيِّ». رواه الترمذي)). ''ہر چیز کے لیے چوٹی ہے اور قرآن شریف کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے یعنی آیۃ الکرسی''۔

اسی میں ہے، ص۱۴۱: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « سُورَةُ البَقَرَةِ فِيهَا آيَةٌ سَيِّدَةُ آيِ القُرْآنِ, لا تُقرأ في بيت وفيه شيطان إلا خرج منه, آيَةُ الكُرْسِيِّ »)). ''سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کے تمام آیتوں کی سردار ہے۔ نہیں پڑھی جائے گی یہ آیت

کسی ایسے گھر میں جس میں شیطان ہو مگر اس کی برکت سے شیطان دفع ہو جائے گا، وہ آیت الکرسی ہے"۔

اسی میں ہے، ص۱۴۴: ((عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لكل شيء قلب، وقلب القرآن يس، من قرأ يس كتب له بقرائته قراءة القرآن عشر مرات)). "ہر چیز کے لیے دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورہ یٰسین ہے جو شخص سورہ یٰسین پڑھے۔ اس کے لیے اس کے پڑھنے کا اجر و ثواب دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کے برابر لکھا جائے گا"۔

اسی میں، ص۱۴۴ پر ہے: ((مَنْ قَرَأَ يس ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَاقْرَءُوهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ. رواه البيهقي في شعب الإيمان عن معقل بن يسار)). "جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کو لیے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے گناہ بخش دے گا تو اس سورہ کو اپنے مُردوں کے پاس پڑھا کرو"۔

اسی میں ہے:((عَنْ ابن عمر رضي الله عنهما، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ رُبعُ القرآنِ». رواه الطبراني في الكبير والحاكم)). قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ چوتھائی قرآن کے برابر ہے"۔

اورقل هو الله احد کا تو کیا کہنا کے اس کے فضائل اظہر من الشمّس ہیں۔

کنزالعمال جلد اول، ص۱۴۵/ میں ہے: ((عَنْ أبي سعيد الخدري رضي الله عنها، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ». رواه الإمام مالك والإمام أحمد والبخاري وأبو داود والترمذي، ورواه مسلم عن أبي الدرداء، ورواه الترمذي وابن ماجة عن أبي هريرة ورواه النسائي عن أبي أيوب ورواه الإمام أحمد وابن ماجة عن أبي مسعود الأنصاري ورواه الطبراني عن ابن مسعود ورواه البزار عن جابر وأبي عبيدة عن ابن عباس رضي الله عنهم أجمعين)).

"ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قل ہو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اس کو امام مالک اور امام احمد اور بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ابودرداء سے روایت کیا اور روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور روایت کیا اس کو نسائی نے ابوایوب سے اور روایت کیا اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے ابومسعود انصاری سے اور روایت کیا اس کو طبرانی نے ابن مسعود سے اور روایت کیا اس کو بزار نے جابر اور ابوعبیدہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین"۔

اسی میں ہے: ((عن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله ﷺ: أنزل علي آيات لم ير مثلهن قط قل أعوذ برب الفلق وقل أعوذ برب الناس.(رواه الإمام أحمد والترمذي والنسائي) وفي رواية: اقرأ المعوذتين فإنك لن تقرأ مثلها. (رواه الطبراني عنه) وفي رواية: يَا عُقْبَةُ أَلَا أُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُورَتَيْنِ قُرِئَتَا؟ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ, يَا عُقْبَةُ اقْرَأْ بِهِمَا كُلَّمَا نِمْتَ وَكُلَّمَا قُمْتَ, ما سأل سائل ولا استعاذ مستعيذ بمثلهما. رواه الإمام أحمد والنسائي والحاكم عن عقبة بن عامر)). "مجھ پر چند آیتیں نازل ہوئیں کہ ان کے مثل کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔ وہ قل اعوذبرب الفلق اور قل اعوذبرب الناس ہیں۔ معوذتین پڑھا کرو، اس لیے کہ تم ہرگز ان کے مثل نہ پڑھو گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں بے مثل ہیں"۔ ایک روایت میں ہے: اے عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین صورتیں نہ بتاؤں قل اعوذبرب الفلق، قل اعوذبرب الناس۔ اے عقبہ، ان دونوں سورتوں کو پڑھو جب سوؤ اور جب کھڑے ہو۔ نہیں سوال کیا کسی کرنے والے نے اور نہ پناہ پکڑا کسی پناہ پکڑنیوالے نے کسی چیز کے ساتھ جو مثل ان دو سورتوں کے ہو یعنی یہ دونوں ہر چیز سے بہتر ہیں"۔

دوم: اول و آخر درود شریف پڑھیں کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے۔

کنز العمال جلد اول، ص۱۲۳ رمیں ہے:((عن علي كرم الله وجهه: كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوبٌ عَنِ السَّمَاءِ حَتَّى يُصَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رواه البيهقي في شعب الإيمان ورواه الديلمي في مسند الفردوس عن أنس رضي الله عنه)). ”**بیہقی شعب الایمان میں حضرت علی** کرم اللہ وجہ سے راوی۔ ہر دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہونے سے رکی ہوئی ہوتی ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے“۔

اسی میں، ص۲۱۳ہے: ((عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطاب رضي الله عنهما قال:«إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ، حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ». رواه الترمذي, قال الحافظ العراقي في شرحه: وهو إن كان موقوفاً عليه فمثله لا يقال من قبل الراي وإنما هو أمر توقيفي, فحكمه حكم المرفوع كما صرح به جماعة من أئمة أهل الحديث والأصول)). ”حضرت سعید بن مسیّب، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دعا آسمان وزمین میں رکی ہوئی رہتی ہے، وہ اوپر بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود شریف نہ بھیجا جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا، حافظ عراقی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر ایسی بات اپنی عقل سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا ہے۔ یہ تو شارع ہی کی طرف سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث و علمائے اصول نے تصریح فرمائی۔

((عن عمر قال: "ذكر لي أن الدعاء يكون بين السماء والأرض لا يصعد منه شيء حتى يصلي على النبي ﷺ". "رواه ابن راهويه" بسند صحيح)). ''محدث ابن راہو یہ نے صحیح سند سے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان رہتی ہے، بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ بھیجا جائے''۔

((عن عمر قال قال رسول الله ﷺ: "إذا دعا الداعي فإن الدعاء موقوف بين السماء والأرض، فإذا صلى على النبي ﷺ رفع". "رواه الديلمي وعبد القادر الرهاوي في الأربعين" وقال روي عن عمر موقوفاً من قوله وهو أصح من المرفوع)). ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو اس کی دعا آسمان و زمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے۔ جب نبی صلی اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تب وہ بلند ہوتی ہے۔ اس حدیث کی دیلمی اور عبد القادر رہاوی نے اربعین میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حضرت عمر سے موقوفا بھی مروی ہے اور وہ باعتبار سند، مرفوع سے اصح ہے''۔

اسی میں، ص ۲۱۴ ہے: ((عن علي رضي الله عنه" قال: كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوبٌ عَنِ السَّمَاءِ حَتَّى يُصَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رواه عبيد الله بن محمد بن حفص العيشي في حديثه وعبد القادر الرهاوي في الأربعين والطبراني في الكبير والبيهقي في شعب الإيمان)). ''کوئی دعا آسمان تک نہیں جاتی، جب تک محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے''۔ ۱۲ اساحل۔

اس حدیث میں علیٰ محمّد کے بعد وعلیٰ آل محمّد زائد ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ درود شریف کامل پڑھے جس میں آل واصحاب سب کا ذکر ہو۔

سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل صالح کرے کہ خداوند عالم کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو:

خصوصاً صدقہ کہ اس باب میں اثر تمام رکھتا ہے: قال تعالیٰ:﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ﴾.[سورت مجادلہ، رکوع2]

"مسلمانو جب تم رسول خدا سے مناجات کرنا چاہو تو قبل مناجات صدقہ دے لو"۔

تفسیر خازن، جلد۴، ص۲۴۱ میں ہے: ((يعني إذا أردتم مناجاة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فقدموا أمام ذلك صدقة وفائدة ذلك إعظام مناجاة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فإن الإنسان إذا وجد الشيء بمشقة استعظمه وإن وجده بسهولة استحقره ونفع كثير من الفقراء بتلك الصدقة المقدمة قبل المناجاة. ومثله في التفسير الكبير جلد 8 ص 166)). "یعنی اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات کا ارادہ کرو تو قبل سرگوشی کرنے کے صدقہ دو اور اس صدقہ دینے کا فائدہ رسول سے مناجات کی تعظیم ہے۔ اس لیے کہ آدمی جب کسی چیز کو مشقت اٹھا کر حاصل کرتا ہے تو اس کی قدر ہوتی ہے اور جو چیز بے دردسر حاصل ہوتی ہے وہ بے قدر ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ اس صدقہ کا بہتیرے فقرا کو نفع پہنچانا ہے"۔

مقام غور ہے کہ جب رسول سے مناجات کی یہ قدر ہے تو خدا سے مناجات وعرض حاجات کی اہمیت کا مقتضیٰ اسی سے ظاہر ہے۔ یہ مانا کہ اب یہ حکم مامور مفروض نہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ استحباب ومندوبیت میں کلام نہیں اور فقراء کو اس سے نفع پہونچنا تو ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے: یہی آیت مسلمانوں کے اس دستور اور معمول بہ کی اصل اصیل ہے کہ جب بزرگوں کے مزار پر فاتحہ وزیارت کے لیے جاتے ہیں تو شیرینی وغیرہ کوئی چیز فقراء پر تصدق کرنے کے لیے لے جایا کرتے ہیں۔ اب ان سب آیتوں اور حدیثوں کو عملاً جمع کرنے کے بعد ایصال ثواب کی بہترین صورت یہ ثابت ہوئی کہ جب کسی میت بزرگ یا خرد، استاد یا مشائخ کے لیے ایصال ثواب چاہیں تو قبر پر اس کے جائیں اور شیرینی وغیرہ صدقہ کے لیے لائیں پھر قرآن شریف کی سورتیں یا آیتیں پڑھیں پھر اول آخر درود شریف پڑھ کر اس میت کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید قبولیت کی ہے اور یہی طریقہ ہے جو سلفاً خلفاً مسلمانوں میں ایصال ثواب کا شائع ومروج ہے۔ واللہ تعالیٰ علم۔

سوال نمبر2:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لیے ایصال ثواب کا کوئی معمول بہ دستور تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو وہ کیا تھا؟ مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعین صفحہ ونام جواب ارشاد ہو۔

جواب سوال دوم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لیے ایصال ثواب کے متعدد طریقے تھے، جن میں سے غور وتامل کے بعد اس وقت فقیر کے خیال میں پچیس طریقے احادیث قولی وفعلی واقوال علمائے کرام سے صراحتہً ثابت ہوتے ہیں نیز اس وقت تک علماو

مشائخ کے تعامل و توارث سے ان کی تائید و تقویت ہوتی ہے: (فأقول وبالله التوفيق وبه الوصول إلى ذرى التحقيق.)

پہلا طریقہ:

سورۂ یٰسین شریف پڑھنا ہے جس کا کرنا وقت احتضار ہی سے ثابت ہے:

سنن ابی داؤد جلد ۲، ص۸۹ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((اقرؤوا يس على موتاكم. رواه ابن ماجة والنسائي وأعله ابن القطان وصححه ابن حبان)). "اپنے مردوں پر سورہ یٰس پڑھو"۔

مرقات شرح مشکوٰۃ: جلد ۲، ص ۲۸۲ میں ہے: ((قال القرطبي: حديث اقرءوا على موتاكم يس هذا يحتمل أن تكون عند قبره، كذا ذكره السيوطي في شرح الصدور)). "علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اقراء و اعلیٰ موتاکم یٰس اس حدیث کا دو مطلب ہے۔ اول یہ کہ مرنے والے کے پاس اس کی حیات میں پڑھی جائے اور دوسرا یہ کہ اس کی قبر پر پڑھی جائے۔ اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں ذکر کیا ہے"۔

وعن معقل بن يسار قال: قال رسول الله ﷺ:«مَنْ قَرَأَ يس ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَاقْرَءُوهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ».

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کردے تو تم اسے مردوں کے پاس پڑھا کرو"۔(ورواه البيهقي في شعب الإيمان. كنز العمال جلد اول ص 144).

مرقات شرح مشکوٰہ، جلد ۲، ص ۲۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں:((فَاقْرَءُوهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ، أي مشرفي الموت أو عند قبور أمواتكم، فإنهم أحوج إلى المغفرة)). "موتیٰ سے مراد وہ ہیں جو قریب مرگ ہیں یا یہ مطلب ہے کہ

مردوں کی قبور کے پاس سورہ یٰس پڑھو۔ اس لیے کہ وہ لوگ مغفرت کے زیادہ تر محتاج ہیں۔

دوسرا طریقہ: میت کو چومنا اور بوسہ دینا:

((وعن أم المؤمنين الصديقة رضي الله عنها قالت إنَّ النَّبِيَّ رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِي حتى سال دموع النبي ﷺ على وجه عثمان». رواه أبو داود, والترمذي، وأبو داود الطيالسي إلى ص 210 قوله وهو ميت)). ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ وہ مردہ تھے اور نبی ﷺ رو رہے تھے، یہاں تک کہ حضور کے آنسو حضرت عثمان کے چہرے پر بہے“۔

((وعنها قَالَتْ: أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى فَرَسِهِ مِنْ مَسْكَنِهِ بِالسُّنْحِ حَتَّى نَزَلَ، فَدَخَلَ المَسْجِدَ، فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُسَجًّى بِبُرْدِ حِبَرَةٍ، فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ، ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ، فَقَبَّلَهُ، ثُمَّ بَكَى... الحديث. رواه البخاري وروى الترمذي وابن ماجة وأبو داود الطيالسي ص 237 ومثله مختصراً, ولفظ أبي داود: فقبل جبهته. وعنها: أن أبا قبل بين عيني النبي ﷺ وهو ميت. (رواه النسائي في باب تقبيل الميت وأين يقبل منه)).

”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر اپنے مکان سے جو سخ میں واقع تھا آئے، یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے، مسجد میں داخل ہوئے تو کسی سے کلام نہ کیا، یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد فرمایا اور اور آپ بردیمانی اوڑھا دیئے گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی طرف جھکے پس آپ کو بوسہ دیا اور روئے
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اس حال میں
کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری، جلد۴، ص۱۲، میں تحریر فرماتے
ہیں:((فِيه: جوَاز تَقْبِيل الْمَيِّت لفعل أبي بكر، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، وَكَان
أَبو بكر فِي تقبيله النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لم يَفْعَله إلاَّ قدوة بِهِ، عَلَيْهِ
الصَّلَاة وَالسَّلَام، لما روى التِّرْمِذِيّ مصححاً: أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ
وَسلم دخل على عُثْمَان بن مَظْعُون وَهُوَ ميت فأكب عَلَيْهِ وَقَبله ثمَّ بَكَى حَتَّى
رَأَيْت الدُّمُوع تسيل على وجنتيه)). ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت
کو بوسہ دینا جائز ہے بوجہ فعل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتدا
سے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا اور اس حدیث کو صحیح بتایا کہ حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کے پاس ان کے انتقال کے بعد تشریف
لے گئے اور ان پر جھکے اور بوسہ دیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ حضور کے آنسو
دونوں رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے۔ شاید مسلمانوں میں بوسہ قبر کا رواج اسی
حدیث کی بنا پر ہوا ہو کہ زائر کی خواہش دلی تو یہ ہوتی ہے کہ صاحب مزار کو بوسہ
دے لیکن جب وہ متعذر ہے تو اوپر ہی سے بوسہ دے لینا کافی خیال کرتا ہے اور
جس طرح قبر کی مٹی مردے کے دیکھنے اور زائر کا کلام سننے میں حارج نہیں، اسی
طرح بوسہ دینے میں بھی مانع نہیں۔ اس لیے کہ قبر کی مٹی ان لوگوں کے لیے
بمنزلہ شیشہ کے ہے۔

علامہ مرتضی زبیدی شرح احیاء العلوم، جلد ۱۰، ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں:

((قال الحافظ ابن رجب: أنبأني علي بن عبد الصمد بن أحمد البغدادي عن أبيه قال: أخبرني قسطنطين بن عبد الله الرومي قال: سمعت الأسد بن موسى قال : كان لي صديق فمات فرأيته في النوم وهو يقول لي: سبحان الله جئت إلى قبر فلان صديقك قرأت عنده وترحمت عليه وأنا ما جئت إلي ولا قربتني, قلت له: وما يدريك ؟ قال: لما جئت إلى قبر فلان صديقك رأيتك, قلت: كيف رأيتني والتراب عليك ؟ قال: أما رأيت الماء إذا كان في الزجاج أمايتبين ؟ قال: كذلك نحن نرى من يزورنا)). "حافظ ابن رجب اپنی سند کے ساتھ اسد بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ میرے ایک دوست کا انتقال ہو گیا۔ اس کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے سبحان اللہ! تم فلاں دوست کی قبر کے پاس اس کی زیارت کو آئے اور قرآن شریف پڑھا اور رحمت کی دعا کی اور نہ میرے پاس آئے اور نہ نزدیک ہوئے؟ میں نے ان سے پوچھا، تمہیں کیا معلوم؟ اس نے کہا کہ جب اپنے فلاں دوست کے پاس آئے تو میں نے تم کو دیکھا۔ میں نے کہا، تم نے مجھ کو کیسے دیکھا تم پر تو مٹی کا انبار تھا؟ کہا کہ تم نے نہیں دیکھا، پانی جب شیشہ میں ہوتا ہے کیا نہیں ظاہر ہوتا؟ میں نے کہا کیوں نہیں کیا کہ اسی طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آئے"۔

اس بوسہ قبر کی مثال ویسی ہی ہے کہ عام طور پر مسلمان قرآن شریف کو غلاف و جزدان کے ساتھ بوسہ دیتے ہیں۔ یہ بوسہ غلاف و جزدان کے کپڑے کو کوئی نہیں سمجھتا بلکہ قرآن شریف کو بوسہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر کے اوپر بوسہ اس بزرگ کو بوسہ دینا خیال کیا جائے۔ ولنعم من قال۔

اگر بوسہ بر قبر مرداں زنی
بمردی کہ پیش آیدت روشنی

علاوہ ازیں افعال صحابہ کرام سے بھی بوسہ قبر کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔

ابن عساکر بسند جید ابو درداء رضی اللہ عنہ سے راوی: ((لما رحل عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه من فتح بيت المقدس فصار إلى جابية، سأله بلال أن يقره بالشام، ففعل، وذكر قصة في نزوله بداريا، قال: ثم إن بلالا رأى في منامه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهو يقول: ما هذه الجفوة يا بلال؟ أما آن لك أن تزورني يا بلال؟ فانتبه حزيناً وجلا خائفاً، فركب راحلته وقصد المدينة فأتى قبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فجعل يبكي عنده ويمرغ وجهه عليه، فأقبل الحسن والحسين رضي الله تعالى عنهما، فجعل يضمهما ويقبلهما الخ)).

"جب حضرت عمر رضی اللہ عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس فتح کر کے واپس ہوئے اور جابیہ پہنچے تو حضرت بلال نے کہا کہ ان کو شام میں مقرر کریں۔ امیر المومنین نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد راوی نے ان کے وہاں پہنچے اور دریا میں اترنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے بلال یہ کیا ظلم ہے؟ تیرے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کو آئے؟ اس خواب کو دیکھ کر وہ بہت پریشان، خوفزدہ ہو کر بیدار ہوئے اور راحلہ پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کا قصد کیا۔ جب مدینہ پہنچے تو روضۂ مطہرہ پر حاضر ہوئے۔ قبر شریف کے پاس پہنچ کر روئے اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے۔ اتنے میں حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹانے اور چومنے لگے"۔ (وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ، جلد ۲، ص ۴۰۸)۔

اگر بوسہ قبر مطلقاً ناجائز ہوتا تو حضرت بلال کے: (يمرغ وجهه عليه ،چہرہ قبر انور سے ملنے لگے) کے کیا معنی ہوں گے کہ یہ تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اسی میں ہے:((قال العز: في كتاب العلل والسؤالات لعبد الله بن أحمد بن حنبل عن أبيه رواية أبي علي بن الصوف عنه، قال عبد الله: سألت أبي عن الرجل يمسّ منبر رسول الله ﷺ، ويتبرك بمسه، ويقبله، ويفعل بالقبر مثل ذلك رجاء ثواب الله تعالى، قال: لا بأس به))."عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا اس شخص کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کے منبر کو مس کرتا اور اس کو بوسہ دیتا ہے اور قبر مبارک کے ساتھ بھی یہی کرتا یعنی بوسہ دیتا اور مس کرتا اور اسی میں خدا وندعالم سے ثواب کی امید رکھتا ہے۔(اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟)۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔

وفا، الوفا، جلد ۲، ص ۴۴۳ میں ہے: ابوالحسین یحییٰ بن حسین اخبار مدینہ میں تحریر فرماتے ہیں: ((أقبل مروان بن الحكم فإذا رجل ملتزم القبر، فأخذ مروان برقبته ثم قال: هل تدري ما تصنع؟ فأقبل عليه فقال: نعم، إني لم آت الحجر، ولم آت اللّبن، إنما جئت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، لا تبكوا على الدين إذا وليه أهله، ولكن ابكوا عليه إذا وليه غير أهله، قال المطلب: وذلك الرجل أبو أيوب الأنصاري))."مروان بن الحکم روضۂ اقدس پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک کو لپٹا ہوا ہے۔ مروان نے ان کی گردن پکڑی اور پوچھا تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں پتھر کے پاس نہیں آیا اور نہ اینٹ کے پاس آیا ہوں۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ مت رؤو دین پر جب اہل اس کے والی ہوں، البتہ اس وقت رؤو جب نااہل والی ہوں۔ مطلب بن عبداللہ بن حنطب راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جو قبر مبارک کو لپٹے ہوئے تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے"۔

وفاء الوفا، جلد۲، ص۴۴۳ میں ہے: حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی: ((لما رمس رسول اللہ ﷺ جاءت فاطمة رضي الله تعالى عنها، فوقفت على قبره صلى الله تعالى عليه وسلم، وأخذت قبضة من تراب القبر ووضعت على عينيها وبكت، وأنشأت تقول:

ماذا على من شمّ تربة أحمد
أن لا يشمّ مدى الزمان غواليا
صبّت عليّ مصائب لو أنها
صبّت على الأيام عدن لياليا)).

"جب حضور اقدس صلی اللہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں۔ قبر مبارک کے پاس کھڑی ہوئیں اور تھوڑی سی خاک پاک قبر مبارک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور رونے لگیں اور یہ دو شعر پڑھے۔ جس شخص نے روضۂ اقدس کی خاک پاک سونگھنے کا شرف حاصل کیا ہو، اگر زمانہ تک کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھ پر ایسی مصیبتیں گزریں کہ اگر دنوں پر وہ مصیبتیں پڑتیں تو مارے غم کے دن رات ہو جاتے"۔

وفاء الوفا، جلد۲، ص۴۴۴/ ہی میں ہے:((ذكر الخطيب بن حملة أنّ ابن عمر رضي الله تعالى عنهما كان يضع يده اليمنى على القبر الشريف، وأن بلالا رضي الله تعالى عنه وضع خديه عليه أيضاً)). "خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اپنا دایاں ہاتھ قبر شریف پر رکھتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے اپنے دونوں رخساروں کو بھی قبر مبارک پر رکھا"۔

وفاء الوفا، جلد۲، ص۴۴۴/ میں ہے: ((قال الحافظ ابن حجر: استنبط بعضهم من مشروعية تقبيل الحجر الأسود جواز تقبيل كل من يستحق

التعظيم من آدمي وغيره، فأما تقبيل يد الآدمي فسبق في الأدب، وأما غيره فنقل عن أحمد أنه سئل عن تقبيل منبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وقبره، فلم ير به بأساً، واستبعد بعض أتباعه صحته عنه. ونقل عن ابن أبي الصيف اليماني أحد علماء مكة من الشافعية جواز تقبيل المصحف وأجزاء الحديث وقبور الصالحين، وأنشد:

أمرّ على الديار ديار ليلى
أقبل ذا الجدار وذا الجدارا
وما حب الديار شغفن قلبي
ولكن حب من سكن الديارا)).

ونعم من قال:

چوں بگزری اے باد بصحرائے مدینہ
یاد آرازیں عاشق شیدائے مدینہ
کن عرض سلامم بہ نیاز یکہ توداری
برکوچہ وبازار ومکانہائے مدینہ

"حافظ ابن حجر نے تقبیل حجر اسود کے مشروع ہونے سے ہر اس چیز کے بوسہ کا جواز ثابت کیا ہے جو مستحق تعظیم ہے، خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی لیکن آدمی کے ہاتھ کا چومنا ادب میں گزرا۔ لیکن غیر انسان کا بوسہ تو امام احمد سے منقول ہے کہ ان سے منبر نبوی و قبر مبارک کے بوسہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مضائقہ نہیں مگر بعض اتباع امام احمد نے اس کا انکار کیا۔ ابن ابی الصیف یمانی شافعی عالم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن شریف کا چومنا، اجزائے حدیث کا چومنا اور صالحین کے قبر کا بوسہ جائز رکھا اور طیب ناشری نے محبّ طبری سے نقل کیا کہ قبر کو بوسہ دینا اور اس کو چھونا جائز ہے اور کہا کہ اسی پر علماء صالحین کا

عمل ہے اور یہ شعر پڑھا: میں گزرتا ہوں گھروں پر یعنی لیلیٰ کے گھروں پر تو بوسہ دیتا ہوں اس دیوار اور ان گھروں کی محبت میرے دل میں نہیں کھبی لیکن اس کی محبت جو ان گھروں میں رہتا ہے"۔

علامہ عینی شرح بخاری، جلد ۴، ص ۶۰۷ میں فرماتے ہیں: ((وأما تقبيل الأماكن الشريفة على قصد التبرك، وكذلك تقبيل أيدي الصالحين وأرجلهم فهو حسن محمود باعتبار القصد والنية، وقد سأل أبو هريرة الحسن رضي الله تعالى عنه أن يكشف له المكان الذي قبله رسول الله ﷺ، وهو سرته، فقبله تبركاً بآثاره وذريته ﷺ، وقد كان ثابت البناني لا يدع يد أنس رضي الله تعالى عنه حتى يقبلها، ويقول: يد مست يد رسول الله ﷺ.

وقال أيضاً: وأخبرني الحافظ أبو سعيد ابن العلائي قال: رأيت في كلام أحمد بن حنبل في جزء قديم عليه خط ابن ناصر وغيره من الحفاظ، أن الإمام أحمد سئل عن تقبيل قبر النبي ﷺ وتقبيل منبره، فقال: لا بأس به، قال: فأريناه للشيخ تقي الدين بن تيمية فصار يتعجب من ذلك، ويقول: عجبت أحمد عندي جليل يقوله؟ هذا كلامه أو معنى كلامه؟ وقال: وأي عجب في ذلك وقد روينا عن الإمام أحمد أنه غسل قميصاً للشافعي وشرب الماء الذي غسله به، وإذا كان هذا تعظيمه لأهل العلم فكيف بمقادير الصحابة؟ وكيف بآثار الأنبياء عليهم الصلاة والسلام)).

"ہمارے شیخ زین الدین نے فرمایا کہ متبرک مقامات کا بقصد تبرک بوسہ دینا اور اسی طرح بزرگوں کہ ہاتھ پاؤں کو چومنا بہتر اور پسندیدہ ہے باعتبار قصد اور نیت کے اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس جگہ کو کھولیے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا تھا اور وہ جگہ ناف ہے۔ پس حضرت ابو ہریرہ نے اس جگہ کو حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور ذریت کے ساتھ برکت لینے کے لیے بوسہ دیا اور ثابت بنانی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ اس پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مس کیا ہے اور فرمایا کہ مجھے حافظ ابوسعید ابن علائی نے خبر کیا کہ میں امام احمد ابن حنبل کا کلام ایک پرانے جزد میں دیکھا، جس پر علامہ ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی تحریر ہے کہ امام احمد ابن حنبل سے کسی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر شریف کو بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھایا، وہ تعجب کرنے لگے اور کہتے کہ تعجب ہے امام احمد بن حنبل میرے نزدیک بزرگ ہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں۔ یہ کہا یا اس کے مثل کہا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہمیں امام احمد بن حنبل سے روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے امام شافعی کا کرتا دھویا اور اس کا غسالہ پیا تو جب وہ اہل علم کی اس قدر عزت و تعظیم کرتے ہیں تو صحابہ کی تعظیم کی قدر کو کون بتا سکتا ہے پھر آثار انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم کا کیا کہنا"۔

تیسرا طریقہ:

کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا:

((عن أم عطية الأنصارية رضي الله تعالى عنها قالت دخل علينا رسول الله حين توفيت ابنته فقال اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك أن رأيتن ذلك بماء وسدر واجعلن في الآخرة كافوراً أو شيئاً من كافور فإذا فرغتن فآذنني فلما فرغنا آذناه فأعطانا حقوه فقال أشعرنها إياه تعني إزاره)).

"حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ خالص پانی یا بیر کے پتے جوش دئے ہوئے پانی سے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو اور اگر ضرورت دیکھو تو اس سے زیادہ اور آخر میں کافور لگاؤ اور جب غسل دینے سے فارغ ہو تو مجھ کو خبر دو۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم لوگ غسل دے کر فارغ ہوئے تو حضور کو خبر دی۔ حضور نے اپنا تہبند مبارک عنایت فرمایا کہا اسے متصل رکھو۔
(رواہ البخاری، ج۱، ص۱۳۹/ و مسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی).

علامہ عینی شرح بخاری، جلد۴، ص۴۶ میں فرماتے ہیں: ((والحكمة فيه التبرك بآثاره الشريفة، وإنما أخره إلى فراغهن من الغسل ولم يناولهن إياه أولاً ليكون قريب العهد من جسده الشريف حتى لا يكون بين انتقاله من جسده إلى جسدها فاصل، وهو أصل في التبرك بآثار الصالحين)). "اس میں مصلحت برکت حاصل کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کے ساتھ ہے اور حضور نے ان عورتوں کے غسل سے فارغ ہونے تک اس کو مؤخر کیا اور پہلے ہی سے عطانہ فرمادیا تاکہ قریب العہد آپ کے جسد مبارک سے ہو یہاں تک کہ حضور کے جسد مبارک سے اترنے اور حضرت کی صاحبزادی کی پہننے میں کوئی فاصل نہ رہے اور یہ حدیث آثار صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اصل اور دلیل ہے"۔

علامہ قسطلانی شرح بخاری، جلد۲، ص۲۱۵ میں فرماتے ہیں:(إنما فعل ذلك لينالها بركة ثوبه). "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے کیا تاکہ آپ کے لباس مبارک کی برکتیں انہیں پہنچے"۔

امام نووی شرح مسلم، ج۱، ص۲۰۵ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:((والحكمة في أشعارها به تبريكها به, ففيه التبرك بآثار الصالحين ولباسهم)).

”حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو تہبند مبارک پہنانے میں حکمت اس لباس کی سبب برکت دینا ہے“۔ تو اس حدیث میں آثار صالحین اور ان کے لباس سے برکت لینے کی دلیل ہے۔

بخاری شریف جلد اول، ص۱۴۱ر میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں ایک عورت کے چادر نذر دینے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیب تن فرمانے پھر ایک صحابی کے مانگنے پر قوم کے اعتراض کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان صحابی رضی اللہ عنہم کا جواب مذکور ہے: ((قال إني واللہ ما سألته لا لبسه إنما سألته لتكون كفني, قال سهل: فكانت كفنه)). ”سائل نے کہا کہ بخدا میں نے زندگی میں پہننے کے لیے اسے نہیں مانگا بلکہ اس لیے کہ یہ متبرک کپڑا حضور کا پہنا ہوا کپڑا میرا کفن ہو“۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ واقعی وہ چادر ان کے کفن میں دی گئی۔

علامہ عینی جلد ۴، ص ۱۷۰ میں اس کی شرح میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ((وفيه التبرك بآثار الصالحين, وفيه بركة ما لبسه مما يلي جسده)). ”اس حدیث میں برکت لینا ہے آثار صالحین کے ساتھ اور نیز اس حدیث میں اس کپڑے کا متبرک ہونا ہے جو حضور کے جسد مبارک سے نزدیک ہوا ہے“۔

((وروى ابن عبد البر عن ابن عباس قال: لما ماتت فاطمة أمّ علي بن أبي طالب ألبسها رسول اللہ ﷺ قميصه، واضطجع معها في قبرها، فقالوا: مارأيناك صنعت ما صنعت بهذه فقال: إنه لم يكن أحد بعد أبي طالب أبرّ لي منها، إنما ألبستها قميصي لتكسى من حلل الجنة، واضطجعت معها ليهون عليها. وفاء الوفاء, جلد 2 ص 88)).

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص مبارک ان کو پہنائی اور ان کے ساتھ قبر میں لیٹے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضور نے آج وہ بات کی جو کبھی نہیں کی تھی۔ ارشاد ہوا کہ ابو طالب کے بعد میرے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ میں نے ان کو اپنا کرتہ اس لیے پہنایا کہ یہ جنت کا لباس پہنیں اور میں ان کے ساتھ اس لیے لیٹا کہ ضغطۂ قبر آسان ہو“۔

دوسری روایت میں ہے:((ثم نزع قميصه فأمر أن تكفّن فيه، ثم صلى عليها عند قبرها، فكبر تسعاً وقال: ماأعفي أحد من ضغطه القبر إلا فاطمة بنت أسد، قيل: يارسول الله ولا القاسم؟ قال: ولا إبراهيم، وكان إبراهيم أصغرهما)). حضور نے اپنی قمیض مبارک اتار کر حکم دیا کہ اس میں انہیں کفناؤ پھر ان کی قبر کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس میں نو تکبیر فرمائی اور ارشاد ہوا کہ ضغطۂ قبر سے کوئی نہیں بچا سوائے فاطمہ بنت اسد کے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! حضور کے صاحبزادے حضرت قاسم؟ ارشاد ہوا ابراہیم بھی نہیں اور یہ حضرت قاسم سے چھوٹے تھے“۔(وفاء الوفاج،۲، ص۸۸۔)

علامہ ابن عبد البر استیعاب، جلد اول، ص ۲۶۲ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت علامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ((فأفاق مُعَاوِيَة، وَقَالَ: يَا بني، إِنِّي صحبت رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فخرج لحاجةٍ فاتبعته بإداوة، فكساني أحد ثوبيه الَّذِي كَانَ على جلده، فخبأته لهذا اليوم، وأخذ رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من أظفاره وشعره ذات يَوْم، فأخذته وخبأته لهذا اليوم، فإذا أنا مت فاجعل ذَلِكَ القميص دون كفني مما يلي

جلدي، وخذ ذَلِكَ الشعر والأظفار فاجعله فِي فمي، وعلى عيني ومواضع السجود مني، فإن نفع شيء فذاك، وإلا فَإِنَّ الله غَفُورٌ رَحِيمٌ)).

”پس افاقہ پایا حضرت امیر معاویہ نے تو کہا اے میرے بیٹے! میں رسول اللہ کی خدمت میں رہا پس حضور قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تو میں حضور کے پیچھے پانی کا برتن لے کر چلا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تو مجھ کو اپنے دو کپڑوں میں سے جو بدن مبارک پر تھا، ایک عطا فرمایا تو اس کو میں نے آج کے دن لیے چھپا رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن مبارک اور موئے مبارک ترشوایا تو اس کو بھی میں نے لے لیا اور آج کے دن کے لیے چھپا رکھا ہے تو میں جب مر جاؤں تو اس قمیص کو میرے کفن کے نیچے بدن سے متصل رکھنا اور ناخن اور موئے مبارک کو میرے منہ اور میری آنکھوں اور سجدہ کی جگہوں پر رکھنا تو اگر کوئی چیز نفع بخش ہوگی تو یہ ہوگی، نہیں تو خداوند غفور رحیم ہے“۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر، جلد ۴، ص ۷۰۹ میں آیۃ کریمہ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ [التوبة: 84/9]. کی شان نزول میں تحریر فرماتے ہیں: ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ لما اشتكى عبد الله بن أبي بن سَلُولَ عَادَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَطَلَبَ مِنْهُ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ إِذَا مَاتَ وَيَقُومَ عَلَى قَبْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهُ أَرْسَلَ إِلَى الرَّسُولِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَطْلُبُ مِنْهُ قَمِيصَهُ لِيُكَفَّنَ فِيهِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ الْقَمِيصَ الْفَوْقَانِيَّ فَرَدَّهُ وَطَلَبَ الَّذِي يَلِي جِلْدَهُ لِيُكَفَّنَ فِيهِ)).

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی بن ابن سلول بیمار پڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عیادت کو تشریف لے گئے، اس نے حضور سے خواہش ظاہر کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی جنازہ کی نماز پڑھیں اور اس کی قبر پر ٹھہریں پھر اس نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے پاس قمیص کے لیے آدمی بھیجا تاکہ اس قمیص میں کفنایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی قمیص بھیج دی اس نے واپس کر دی اور جو قمیص مبارک جسد اقدس سے متصل ہے، کفن کے لیے اسے طلب کیا"۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری، جلد ۲، ص ۶۰، لماتوفی کے تحت میں عبد اللہ بن ابی کے شوال میں بیمار ہونے، بیس دن بیمار رہنے، ذیقعدہ، ۹ھ، میں اس کے مرنے کے ضمن میں حضور کا عیادت کے لیے تشریف لے جانا اور اس کو نصیحت کرنے کے واقعہ کو بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں:((ثمَّ قَالَ يَا رَسُول الله لَيْسَ هَذَا بِحِين عتاب هُوَ الْمَوْت فَإِن مت فَاحْضُرْ غسْلي وَأَعْطِنِي قَمِيصك الَّذِي يَلِي جسدك فَكَفِّنِّي فِيهِ وصل عَلَيّ واستغفر لي، فَفعل ذَلِك بِهِ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم. وَقَالَ الْحَاكِم: كَانَ على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَمِيصَانِ، فَقَالَ عبد الله: وَأَعْطِنِي قَمِيصك الَّذِي يَلِي جسدك فَأَعْطَاهُ إِيَّاه)).

"عبد اللہ بن ابی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ وقت مرنے کا ہے، عتاب کا وقت نہیں۔ جب میں مر جاؤں تو حضور میرے غسل کے وقت تشریف لائیں اور مجھ کو اپنی قمیص مبارک جو جسد اطہر سے متصل ہے، عنایت فرمائیں اور اسی میں مجھے کفنائیں اور میری جنازہ کی نماز پڑھیں اور میری مغفرت کی دعا کریں تو حضور نے ایسا کیا۔ حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت دو قمیص پہنے ہوئے تھے تو عبد اللہ نے کہا کہ مجھے وہ قمیص مبارک عطا فرمائیں جو جسم شریف سے متصل ہے"۔

مقام غور ہے کہ عبد اللہ بن ابی جیسا منافق اور نہ صرف منافق بلکہ رئیس المنافقین حضور اقدس ﷺ کی قمیص مبارک سے برکت چاہتا ہے اور اس میں کفنائے جانے کی آرزو کرتا، اس کو بعد موت وسیلہ اجر مغفرت بناتا ہے۔ حسرت وافسوس اس نام نہاد مسلمان پر ہے جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی وقعت

وعظمت اور ان کے لباس مبارک وآثار شریفہ کی اہمیت وعزت اس منافق کے دل کے اتنی بھی نہ ہو۔

شرم دارد کفر از اسلام او

یہ مانا اس کا قمیص مبارک کفن کے لیے طلب کرنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا، اس میں کفنایا جانا اس کی نجات کا باعث نہ ہوا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:(إن قميصي لا يغني عنه من الله شيئا). مگر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ اور قمیص مبارک طلب کرنا، حضور کا قمیص مبارک پہنانا بالکل بے اثر رہا۔ نہیں نہیں ہر گز نہیں۔ اس کی برکت سے اس کی قوم سے ہزار آدمی کامل الایمان ہو گئے۔

تفسیر کبیر جلد۴، ص۷۰۹ میں ہے:((وَكَانَ الْمُنَافِقُونَ لَا يُفَارِقُونَ عَبْدَ اللَّهِ، فَلَمَّا رَأَوْهُ يَطْلُبُ هَذَا الْقَمِيصَ وَيَرْجُو أَنْ يَنْفَعَهُ، أَسْلَمَ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ أَلْفٌ)). منافقین کبھی عبد اللہ بن ابی کو نہیں چھوڑتے تھے جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ قمیص مبارک طلب کرتا ہے، اس کے نفع کا امیدوار ہے تو ان لوگوں سے ہزار آدمی اسی دن مسلمان ہو گئے"۔

شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ فارسی، جلد ا، ص۷۱۶ میں تحت حدیث ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: "درینجا استحباب تبرک ست بلباس صالحین وآثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانکہ قبل موت نیز ہم چنیں بودہ"۔

لمعات میں فرماتے ہیں: (هذا الحديث أصل في التبرك بآثار الصالحين ولباسهم كما يفعل بعض مريدي المشائخ من لبس أقمصتهم في القبر). "یہ حدیث آثار صالحین اور ان کی لباس سے برکت حاصل کرنے کی اصل ہے۔ جس طرح بعض مریدین مشائخ کی قمیصوں کو پہنا کر دفن کئے جاتے ہیں"۔

شیخ اسمٰعیل حقی تفسیر روح البیان، جلد ۲، ص۵۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں:((قال في الأسرار المحمدية: لو وضع شعر رسول الله أو عصاه أو سوطه على قبر عاصٍ لنجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب, وإن كان في دار إنسان أو بلدة لا يصيب سكانها بلاء ببركته وإن لم يشعروا به, ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة أستار الكعبة والتكفن بها وكتابة القرآن على القراطيس والوضع في أيدي الموتى)).

"اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا عصا شریف یا حضور کا کوئی کپڑا کسی گنہگار کی قبر پر رکھا جائے تو ان تبرکات کی برکت سے وہ عاصی عذاب سے نجات پائے اور اگر کسی آدمی کے گھر یا کسی شہر میں ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو اس کی برکت سے کوئی مصیبت نہ پہنچے گی اگرچہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور اسی قسم سے آب زمزم اور اس میں تر کیا ہوا کفن ہے اور خانہ کعبہ کا غلاف شریف اور اس میں کفن دینا ہے اور قرآن شریف کو کاغذ پر لکھنا اور اس کو مردہ کے ہاتھوں میں دینا ہے"

چوتھا طریقہ:

میت کے کفن پر کوئی آیت کلمہ طیبہ یا عہد نامہ یا کوئی دعا لکھنا:

مصنف عبد الرزاق اور ان کے طریق سے معجم طبرانی پھر حلیہ ابو نعیم میں ہے: ((أخبرنا مَعْمَرٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ أَنَّ فَاطِمَةَ رضي الله عنها لَمَّا حَضَرَتْهَا الْوَفَاةُ، أَمَرَتْ عَلِيًّا فَوَضَعَ لَهَا غُسْلًا، فَاغْتَسَلَتْ وَتَطَهَّرَتْ، وَدَعَتْ بِثِيَابِ أَكْفَانِهَا فَأُتِيَتْ بِثِيَابٍ غِلَاظٍ خَشِنٍ وَلَبِسَتْهَا، وَمَسَّتْ مِنَ الْحَنُوطِ، وَأَمَرَتْ عَلِيًّا أَنْ لَا تُكْشَفَ إِذَا هِيَ قُبِضَتْ، وَأَنْ تُدْرَجَ كَمَا هِيَ فِي

أَكفانهَا» فَقُلْتُ لَهُ: هَلْ عَلَّمَتْ أَحَدًا فِعْلَ نحو ذَلِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَثِيرَ بْنَ عَبَّاسٍ وَكَتَبَ فِي أَطْرَافِ أَكْفَانِهِ يَشْهَدُ كَثِيرُ بْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ))۔

''حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کا وقت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کے نہانے کے لئے پانی رکھیں پس نہائیں اور کفن منگوا کر پہنا اور حنوط لگایا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کہا کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن کردی جائیں۔ میں نے پوچھا کہ کسی نے بھی ایسا کیا؟ کہا ہاں! کثیر بن عباس رضی اللہ عنہ نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے: لاالہ الااللہ''۔

امام ترمذی معاصر امام بخاری نے نواد رالا صول میں روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من كتب هذا الدعاء وجعله بين صدر الميت وكفنه لم ينل عذاب القبر ولم ير منكراً ولا نكيراً, وهو هذا))۔جو شخص یہ دعا کسی پرچہ لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھے اسے عذاب قبر نہ ہوا اور نہ منکر نکیر نظر آئیں اور وہ دعا یہ ہے:((لا إله إلا الله والله أكبر, لا إله إلا الله وحده لا شريك له, لا إله إلا الله له الملك وله الحمد, لا إله إلا الله ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم)).

یہی حکیم ترمذی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھے:((اللَّهُمَّ فاطرَ السَّمَوَات وَالْأَرْض عَالم الْغَيْب وَالشَّهَادَة الرَّحْمَن الرَّحِيم, إِنِّي أَعهد إِلَيْك فِي هَذِه الْحَيَاة الدُّنْيَا, بأَنَّكَ أَنْت الله لَا إِلَه إِلَّا أَنْت وَحدك لَا شريك لَك, وَأَن مُحَمَّدًا عَبدك وَرَسُولك, فَلَا تَكِلنِي إِلَى نَفسِي فَإِنَّك أَن تَكِلنِي إِلَى نَفسِي تقربني من الشَّرّ وَتُبَاعِدنِي من الْخَيْر, وَإِنِّي لَا أَثق إِلَّا بِرَحْمَتك, فَاجْعَلْ رحمتك لي عهدا عندك تُؤَدِّيه إِلَيّ يَوْم الْقِيَامَة, إِنَّك لَا تخلف الميعاد)). ''فرشتہ اسے لکھ کر مہر لگا کر قیامت

کے لئے اٹھا رکھے۔ جب اللہ تعالیٰ اس بندہ کو قبر سے اٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاہیں؟ انہیں وہ عہد نامہ دیدیا جائے۔

امام نے اسے روایت کر کے فرمایا:((وعن طاؤوس أنه أمر بهذه الكلمات فكتبت في كفنه)). "امام طاؤس کی وصیت سے یہ عہد نامہ ان کے کفن میں لکھا گیا"۔

امام فقیہ بن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا: ((إذا كتب هذا الدعاء وجعل مع الميت في قبره وقاه الله فتنة القبر وعذابه)). "جب یہ دعا لکھ کر میت کی قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سوال نکیرین و عذاب قبر سے امن دیدے گا"۔

درمختار ص۱۲۶ میں ہے : ((كتب على جبهة الميت أو عمامته أو كفنه عهد نامه ترجى أن يغفر الله للميت, أوصى بعضهم أن يكتب في جبهته وصدره: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ, ففعل، ثم رئي في المنام فسئل فقال: لما وضعت في القبر جاءتني ملائكة العذاب، فلما رأوا مكتوباً على جبهتي بسم الله الرحمن الرحيم قالوا: أمنت من عذاب الله)).

"مردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھدیں، لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے۔ حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا، عذاب کے فرشتے آئے۔ جب میری پیشانی پر (بسم الله الرحمن الرحيم) لکھا دیکھا، کہا تجھے عذاب الٰہی سے امان ہے"۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں: ((قوله: كتب على جبهة الميت ,أخذ من ذلك جواز الكتابة ولو بالقرآن ولم يعبروا كون ماله إلى التنجيس بما يسيل من الميت)). "مصنف کے اس قول کتب سے لکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اگرچہ قرآن شریف کی آیت ہی ہو اور اس کے مال کا کوئی اعتبار نہ کیا گیا کہ اس لکھے ہوئے مردہ کے بدن سے ریم یا خون بہہ کر نجس کر دے گا"۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ امام اہلسنت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ (بنام تاريخي: الحرف الحسن في الكتابة على الكفن) تحریر فرمایا۔ یہ روایتیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیثیں اور نصوص علمائے کرام اس معمول بہ کی اصل ہیں کہ مریدوں کے قبر میں مشائخ کرام کا شجرہ رکھتے ہیں کہ (الاسم عين المسمى كما صرح به في كتب العقائد). اور ظاہر ہے کہ نام کی مسمیٰ پر دلالت تراشنا ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک ذریعہ تبرک و توسل ہوتے نہ کہ اسلامی سلاسل علیہ عالیہ کہ اسناد اتصال بہ محبوب ذی الجلال وبہ حضرت عزوجلال ہیں اور اللہ اور محبوب واولیاء کے سلسلہ کرم کرامت میں منسلک ہونے کی سند تو شجرہ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے۔

اس جگہ ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ اس میں بزرگان دین کے ناموں کی اہانت ہے، اس لئے کہ مردے کے بدن سے خون پیپو غیرہ سے تلوت کا اندیشہ ہے۔ مگر اندیشہ ووہم موجب ممانعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے چوپایوں پر باجود احتمال تلوث جیس فی سبیل اللہ لکھوایا تھا۔ علاوہ بریں تلوث بہ نجاست کا احتمال بھی مطرد نہیں، اس لئے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ دس شخصوں کے بدن قبر میں سلامت رہتے ہیں:

انبیاء، اولیا، علمائے دین، شھدا، حفاظ، موذن، کہ للہ اذان کہا کرتا ہو، سرحد اسلام پر حفاظت بلاد اسلامیہ کے لئے قیام رکھنے والا، جو طاعون سے صابر و محتسب مرے، ذکر الہی بکثرت کرنے والا، بے گناہ بندہ تو اگر وہ شخص جس کی قبر میں شجرہ رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک ہے جب تو عدم تلوث ظاہر ورنہ ممکن کہ شجرہ شریفہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ عزت اسے عنایت فرمائے پھر بھی شجرہ

کے لئے کچھ ضرور نہیں کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں قبلہ کی طرف خواہ سر ہانے طاق بنا کر رکھیں۔

جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگاں ست لیکن این رادو طریق ست۔ اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بلائے کفن گزارند ایں طریق را فقہا منع می کنند و می گویند کہ از بدن مردہ خون وریم سیلام می کند و موجب سوئے ادب باسمائے بزرگاں می شود۔ طریق دوم این ست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بگزارند و دراں کاغذ شجرہ رانہند۔"

پانچواں طریقہ:

جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت کی خوبیوں کو بیان کرنا:

((عن أَنَس قال: مَرُّوا بِجَنَازَةٍ، فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَجَبَتْ» ثُمَّ مَرُّوا بِأُخْرَى فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا، فَقَالَ: «وَجَبَتْ» فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَا وَجَبَتْ؟ قَالَ: «هَذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا، فَوَجَبَتْ لَهُ الجَنَّةُ، وَهَذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا، فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الأَرْضِ». رواه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي وابن ماجة وأبو داود الطيالسي ص 275)).

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی: ایک جنازہ لے کر لوگ گزرے۔ صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی، پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے۔ لوگوں نے برائی بیان کی حضور نے فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا واجب ہو گئی؟ ارشاد ہوا پہلے جنازہ والے کی تم لوگوں نے تعریف کی تو اس کے لئے جنت واجب ہو گئی اور دوسرے کی تم لوگوں نے برائی کو تو اس کے لئے جہنم کی آگ واجب ہوئی تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ ولنعم من قال۔

بھلا کہے جسے خلقت اسے بھلا سمجھو
زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

((وعَنْ أَبِي الأَسْوَدِ، قَالَ: قَدِمْتُ المَدِينَةَ وَقَدْ وَقَعَ بِهَا مَرَضٌ، فَجَلَسْتُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَمَرَّتْ بِهِمْ جَنَازَةٌ، فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا خَيْرًا، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِأُخْرَى فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا خَيْرًا، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثَةِ فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا شَرًّا، فَقَالَ: وَجَبَتْ، فَقَالَ أَبُو الأَسْوَدِ: فَقُلْتُ: وَمَا وَجَبَتْ يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ؟ قَالَ: قُلْتُ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيُّمَا مُسْلِمٍ، شَهِدَ لَهُ أَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ، أَدْخَلَهُ اللَّهُ الجَنَّةَ» فَقُلْنَا: وَثَلاَثَةٌ، قَالَ: «وَثَلاَثَةٌ» فَقُلْنَا: وَاثْنَانِ، قَالَ: «وَاثْنَانِ» ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ عَنِ الوَاحِدِ. رواه البخاري والنسائي)).

"ابو الاسود کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں پہنچا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ گذرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی پھر دوسرا جنازہ گذرا لوگوں نے اس کی بھی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی پھر تیسرا جنازہ گذرا لوگوں نے برائی کی، حضرت عمر نے کہا واجب ہوگئی۔ ابو الاسود کہتے ہیں، میں نے کہا: کیا واجب ہوگئی یا امیر المومنین! فرمایا میں وہ بات کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے لئے چار مسلمان اچھے ہونے کی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ہم نے کہا اور تین شخص؟ ارشاد ہوا تین آدمی؟ پھر ہم لوگوں نے کہا کہ اور دو آدمی ارشاد ہوا کہ اور دو آدمی پھر ہم نے ایک آدمی کے بارے میں نہیں پوچھا"۔

((وعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عن النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّه عزَّ وَجَلَّ: "مَا مِنْ عبدٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَشْهَدُ لَهُ ثَلَاثَةُ أَهْلِ أَبْيَاتٍ مِنْ

جِيرَانِهِ الْأَدْنَيْنَ بِخَيْرٍ، إِلَّا قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: قَدْ قَبِلْتُ شَهَادَةَ عِبَادِي عَلَى مَا عَلِمُوا، وَغَفَرْتُ لَهُ مَا أَعْلَمُ". رواه الإمام أحمد وروى أبو يعلى وابن حبان في صحيحه, ولفظهما: أربعة أهل أبيات من جيرانه)).

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہ سے کہ جب کوئی مسلمان بندہ مرے اور اس کے لئے تین قریب گھر والے پڑوسی بھلائی کی گواہی دیں تو اللہ عزوجل فرمائے گا کہ میں نے اپنے بندوں کی گواہی اس بارے میں جو ان کے علم میں ہے، قبول کی اور جو خطا قصور اس کا میں جانتا ہوں، اس کو بخش دیا۔ انویعلی اور ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں تین گھر کی جگہ چار گھر کا لفظ ہے"۔

چھٹا طریقہ:

نماز جنازہ اور کثرت مصلیان کا فائدہ:

نماز جنازہ پڑھنا ہے اور تکثیر مصلیان مرغوب و مطلوب ہے۔ اس لئے کہ ہر نمازی اس میت کا سفارشی ہے اور کثرت سفارش اہمیت کی دلیل ہے۔

((عَنْ كُرَيْبٍ عن ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ مَاتَ ابْنٌ لَهُ بِقُدَيْدٍ - أَوْ بِعُسْفَانَ - فَقَالَ: يَا كُرَيْبُ، انْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ، قَالَ: فَخَرَجْتُ، فَإِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوا لَهُ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: تَقُولُ هُمْ أَرْبَعُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَخْرِجُوهُ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ، فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا، لَا يُشْرِكُونَ بِاللهِ شَيْئًا، إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللهُ فِيهِ». رواه الإمام أحمد ومسلم وأبو داود وابن ماجة)).

"حضرت کریب سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا انتقال مقام قدید یا عسفان میں ہوا تو آپ نے فرمایا دیکھو کتنے آدمی

جمع ہوئے ہیں؟ کریب کہتے ہیں کہ میں نکلا، دیکھا کہ لوگ جمع ہیں۔ میں نے ان کو خبر دی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے پوچھا کہ چالیس آدمی ہوں گے؟ کریب نے کہا ہاں! ابن عباس نے کہا کہ اب میت کو باہر لاؤ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ جو مرد مسلمان انتقال کرے اور اس کے جنازہ کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول فرمائے گا"۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ مِائَةً، كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ، إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ». رواه مسلم: ص 308, والترمذي وقال: حديث حسن, ورواه النسائي ولفظه: ومئة فما فوقها)). "جس مسلمان میت کی نماز جنازہ میں ایک جماعت مسلمانوں کی پڑھے جس کی تعداد ۱۰۰ تک پہونچی ہو اور وہ سب اس کی شفاعت کریں تو ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول ہوگی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ سو یا زیادہ آدمی اس کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا"۔

((وعَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:«مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا أَوْجَبَ»، قَالَ: «فَكَانَ مَالِكٌ إِذَا اسْتَقَلَّ أَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ صُفُوفٍ لِلْحَدِيثِ». رواه أبو داود جدل: 2 ص 95 ورواه الترمذي وحسنه, وصححه الحاكم, وفي رواية له: إلا غفر له)). "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مردہ کی نمازِ جنازہ مسلمانوں کی تین صفیں پڑھیں، اس کے لئے جنّت واجب ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ جب جنازہ میں شریک ہونے والے افراد جمع ہو جاتے تو مالک ابنِ ہبیرہ اس حدیث کی وجہ سے انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے"۔

ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کی پڑوس میں دفن کرنا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ: أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ، قَالَ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ عَيْنَهُ وَقَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهِ، فَقُلْ لَهُ: يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَلَهُ، بِمَا غَطَّتْ يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ، سَنَةٌ، قَالَ: أَيْ رَبِّ ثُمَّ مَهْ؟ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ، قَالَ: فَالْآنَ، فَسَأَلَ اللهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ، قال: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ، لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطُّورِ عِندَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ». رواه البخاري ومسلم والنسائي)).

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بھیجے گئے تو جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ پس خداوند عالم کے پاس واپس گئے اور کہا کہ خداوند تونے مجھ کو ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ان کو واپس دی اور فرمایا کہ جاؤ اور موسیٰ سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کے پیٹھ پر رکھیں۔ ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمران کو اور دی جاے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ فرمایا موت۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو پھر ابھی! پھر اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھ کو بیت المقدس کے قریب کردے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور تمہیں ان کی قبر دکھادیتا طور کے پاس سرخ ٹیلہ کے نزدیک"۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۶۵ میں فرماتے ہیں: ((أي: سَأَلَ اللهَ تَعَالَى الدنو من بَيت الْمُقَدّس ليدفن فِيهِ دنواً لَو رمى رام الْحجر من ذَلِك

الْموضع الَّذِي هُوَ الْآن مَوضِع قَبره لوصل إِلَى بَيت الْمُقَدّس، وَإِنَّمَا سَأَلَ ذَلِك لفضل من دفن فِي الأَرْض المقدسة من الْأَنْبِيَاء وَالصَّالِحِينَ، فاستحب مجاورتهم فِي الْمَمَات كَمَا فِي الْحَيَاة، وَلِأَن النَّاس يقصدون الْمَوَاضِع الفاضلة ويزورون قبورها وَيدعونَ لأَهْلهَا)).

"خداوند عالم سے سوال کیا بیت المقدس کی نزدیکی کا تاکہ وہاں دفن ہوں اس قدر نزدیک کہ اگر کوئی پتھر پھینکنے والا اس جگہ سے، جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر کہ جگہ ہے، پتھر پھینکے تو ضرور وہ پتھر بیت المقدس تک پہونچے اور یہ سوال اسی لئے کیا کہ جو لوگ انبیا و صالحین سے بیت المقدس میں دفن ہیں، ان کی بزرگی کے سبب ان کی مجاورت کو بعد موت پسند کیا، جس طرح اچھے لوگوں کی مجاورت زندگی میں پسند کرتے ہیں اور اس لئے کہ لوگ متبرک مقامات کا قصد کرتے ہیں اور وہاں کی قبور کی زیارت کرتے ہیں اور قبر والوں کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں"۔

اسی میں ہے:(وفيه استحباب الدفن في المواضع الفاضلة والقرب من مدافن الصالحين). "اس حدیث سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ متبرک مواضع میں دفن کرنا مستحب ہے اور مدفن صالحین کی نزدیکی بہتر ہے"۔

((عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ الأَزْدِي قَالَ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضى الله عنه قَالَ: يَا عَبْدَ اللَّهِ, اذْهَبْ إِلَى أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ رضى الله عنها فَقُلْ يَقْرَأُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَيْكِ السَّلاَمَ، ثُمَّ سَلْهَا أَنْ أُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ. قَالَتْ كُنْتُ أُرِيدُهُ لِنَفْسِي، فَلأُوثِرَنَّهُ الْيَوْمَ عَلَى نَفْسِي. فَلَمَّا أَقْبَلَ قَالَ لَهُ مَا لَدَيْكَ قَالَ أَذِنَتْ لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَ مَا كَانَ شَيْءٌ أَهَمَّ إِلَيَّ مِنْ ذَلِكَ الْمَضْجَعِ))۔

"عمر بن میمون ازدی سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو، انہوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ بن عمر کو فرمایا کہ تم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے یہاں جاؤ اور سوال کرو کہ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جاؤں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ میں نے اس جگہ کو اپنے لئے رکھا تھا لیکن اب میں ترجیح دیتی ہوں حضرت عمر کو اپنے نفس پر۔ پس جب حضرت عبداللہ ابن عمر واپس آئے، امیر المومنین نے پوچھا کیا خبر ہے؟ عرض کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اجازت دیدی فرمایا کوئی چیز مجھے اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اہم نہ تھی"۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں: ((فِيهِ الْحِرْص على مجاورة الصَّالِحين فِي الْقُبُور طَمعاً فِي إِصَابَة الرَّحْمَة إِذا نزلت عَلَيهم، وَفِي دُعَاء من يزورهم من أهل الْخَيْر)). "اس حدیث میں اچھے لوگوں کے جوار میں دفن ہونے پر حرص ہے کہ جب ان پر رحمت نازل ہو تو صاحب قبر کو بھی پہونچے اور جو اہل خیر ان لوگوں کی قبر کی زیارت کریں وہ اس صاحب قبر کے لئے بھی دعا کریں"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۲۷۵ حدیث(«رُدُّوا الْقَتْلَى إِلَى مَضَاجِعِهِمْ») کے تحت اس بحث میں کہ مردہ کو ایک شہر سے منتقل کرکے دوسرے شہر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں، لکھتے ہیں: ((قَالَ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ: وَذُكِرَ أَنَّ مَنْ مَاتَ فِي بَلَدِهِ يُكْرَهُ نَقْلُهُ إِلَى أُخْرَى، لِأَنَّهُ اشْتِغَالٌ بِمَا لَا يُفِيدُ، بِمَا فِيهِ تَأْخِيرُ دَفْنِهِ، وَكَفَى بِذَلِكَ كَرَاهَةً، قُلْتُ: فَإِذَا كَانَ يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ فَائِدَةٌ مِنْ نَقْلِهِ إِلَى أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ أَوْ إِلَى قُرْبِ قَبْرِ أَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، أَوِ الْأَوْلِيَاءِ، أَوْ لِيَزُورَهُ أَقَارِبُهُ مِنْ ذَلِكَ الْبَلَدِ، وَغَيْرِ ذَلِكَ، فَلَا كَرَاهَةَ إِلَّا مَا نُصَّ عَلَيْهِ مِنْ شُهَدَاءِ أُحُدٍ، أَوْ مَنْ فِي مَعْنَاهُمْ، مِنْ مُطْلَقِ الشُّهَدَاءِ))۔

"صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہر میں انتقال کرے، اس کو دوسرے شہر میں دفن کے لئے لے جانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ غیر مفید کام میں مشغول ہونا اور اس میں تاخیر دفن بھی ہے جو کراہت کے لئے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں تو جب اس پر کوئی فائدہ مرتب ہو جیسے احد الحرمین لے جانا یا کسی نبی یا ولی کے

مزار کے پاس دفن کرنا یا تاکہ اس شہر کے اس کے عزیز و قریب اس کی زیارت کیا کریں وغیرہ ذٰلک تو نقل میں کراہت نہیں۔ ہاں! جہاں ممانعت منصوص ہو جیسے شہدائے احد یا دیگر شہدائے کرام تو ان کو نقل کرنا البتہ مکروہ ہو گا"۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور میں تحریر فرماتے ہیں:((وَأخرج أَبُو نعيم وَابْن مَنْدَه عَن أبي هُرَيْرَة قَالَ: قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: ادفنوا مَوْتَاكُم وسط قوم صالحين فَإِن الْمَيِّت يتَأَذَّى بجار السوء))۔ "راوی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو اچھے لوگوں کے درمیان دفن کرو۔ اس لئے کہ مردے برے پڑوسی سے اذیت پاتے ہیں"۔

اسی میں ہے:((وَأخرج ابن عساكر عَن ابْنِ عَبَّاس عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: إِذا مَاتَ لأحدكم الْمَيِّت فَأَحْسنُوا كَفنه وعجلوا بإنجاز وَصيته وأعمقوا لَهُ فِي قَبره وجنبوه الْجَار السوء, قيل يَا رَسُول الله وَهل ينفع الْجَار الصَّالح فِي الْآخِرَة؟ قَالَ: هَل ينفع فِي الدُّنْيَا؟ قَالُوا: نعم, قَالَ: كَذَلِك ينفع فِي الْآخِرَة))۔
"ابن عساکر نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی انتقال کرے تو اس کا کفن اچھا دو اور اس کی وصیت کو جاری کرنے میں جلد کرو اور اس کی قبر گہری کھودو اور اسے برے پڑوسی سے بچاؤ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کہ کیا اچھا پڑوسی آخرت میں کچھ نفع پہنچاتا ہے ارشاد ہو: کہ دنیا میں نفع پہنچاتا ہے؟ کہا ہاں! فرمایا اسی طرح آخرت میں بھی فائدہ پہونچاتا ہے"۔

((وَأخرج ابْنِ أبي الدُّنْيَا عَن عبد الله بن نَافِع الْمُزنِيّ قَالَ: مَاتَ رجل بِالْمَدِينَةِ فَدفن بهَا فَرَآهُ رجل كَأَنَّهُ من أهل النَّار, فاغْتَمَّ لذَلِك ثمَّ أريه بعد سابعة أَو ثامنة كَأَنَّهُ من أهل الْجنَّة فَسَأَلَهُ قَالَ: دفن مَعنا رجل من الصَّالِحين فشفع فِي أَرْبَعِينَ من جِيرَانه فَكنت فيهم)).

"ابن ابی الدنیا نے عبد اللہ بن نافع مزنی سے روایت کیا کہ ایک آدمی مدینہ طیبہ میں مرا پس وہیں دفن کیا گیا۔ کسی شخص نے اس کو خواب میں دیکھا کہ گویا وہ دوزخی ہے پھر ساتھ آٹھ رات کے بعد دکھایا گیا کہ وہ اہل جنت ہے۔ پس اس شخص نے پوچھا۔ اس نے جوب دیا کہ ایک شخص صالحین سے ہمارے ساتھ دفن کیا گیا، اپنے پڑوسیوں سے چالیس آدمیوں کی شفاعت کی تو میں بھی انہیں چالیس سے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میت صالح کے جوار کی برکت سے مجھے جنتی بنا دیا"۔

آٹھواں طریقہ:

جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں:

جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں اور کوئی دعا اور قرآن شریف کی کوئی سورہ یا آیت پڑھیں اس کے بعد اس مردہ کو دفن کریں۔
طبرانی معجم کبیر و اوسط میں اور میں حبان و حاکم بافادہ تصحیح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی:((قَالَ: لَمَّا مَاتَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَسَدٍ دَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَجَلَسَ عِنْدَ رَأْسِهَا فَقَالَ: «رَحِمَكِ اللّٰهُ يَا أُمِّي، كُنْتِ أُمِّي بَعْدَ أُمِّي، وذَكَرَ ثناءه عَلَيها وَتكفينِها بِبُرْدِهِ فَوْقَهُ، ثُمَّ قال: دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، وَأَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ، وَعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، وَغُلَامًا أَسْوَدَ يَحْفُرُونَ فَحَفَرُوا قَبْرَهَا فَلَمَّا بَلَغُوا اللَّحْدَ حَفَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، وَأَخْرَجَ تُرَابَهُ بِيَدِهِ، فَلَمَّا فَرَغَ دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَاضْطَجَعَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: «اللّٰهُ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، اغْفِرْ لِأُمِّي فَاطِمَةَ بِنْتِ أَسَدٍ، وَوَسِّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِي فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ»)).

"جب حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا، حضور اقدس ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور سرہانے بیٹھے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اے مری والدہ کے انتقال کے بعد میری ماں! راوی حدیث حضرت انس نے رسول اللہ ﷺ کا ان کی اچھی تعریف کرنا اور اپنے چادر مبارک میں ان کو کفنانا بیان کرکے پھر کہا کہ حضور نے اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، حضرت عمر بن الخطاب اور ایک سیاہ غلام کو بلایا کہ یہ لوگ قبر کھودتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر کھودی۔ جب لحد تک پہونچے تو حضور اقدس ﷺ نے بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے قبر کھودی اور قبر کی مٹی نکالی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو حضور اقدس ﷺ قبر میں لیٹے اور یہ دعا پڑھی: اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ خداوندا! میری ماں حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کشادہ کر اپنے نبی اور تمام انبیا کی برکت سے جو میرے قبل ہوئے، تو ارحم الراحمین ہے"۔

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۹ میں ہے: ((وفي رواية علي بن أبي طالب: فلما فرغ منه نزل فاضطجع في اللحد، وقرأ فيه القرآن))۔ "جب قبر تیار ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ اس قبر میں اترے اور اس میں قرآن شریف پڑھا"۔

((وروى ابن شيبة عن جابر بن عبد الله قال: بينا نحن جلوس مع رسول الله ﷺ إذ أتاه آت فقال: يا رسول الله، إن أم علي وجعفر وعقيل قد ماتت، فقال رسول الله ﷺ: قوموا إلى أمي، فقمنا وكأن على رؤوس من معه الطير، فلما انتهينا إلى الباب نزع قميصه فقال: إذا غسلتموها فأشعروها إياه تحت أكفانها، فلما خرجوا بها جعل رسول الله ﷺ مرة يحمل، ومرة يتقدم، ومرة يتأخر، حتى انتهينا إلى القبر فتمعّك في اللحد ثم خرج فقال: ادخلوها باسم الله وعلى اسم الله، فلما أن دفنوها قام قائماً فقال: جزاك الله من أم

وربيبة خيراً، فنعم الأم ونعم الربيبة كنت لي، قال: فقلنا له أو قيل له: يا رسول الله لقد صنعت شيئين ما رأيناك صنعت مثلهما قط، قال: ما هو؟ قلنا: نزعك قميصك وتمعكك في اللحد، قال: أما قميصي فأريد أن لا تمسها النار أبداً إن شاء الله تعالى، وأما تمعكي في اللحد فأردت أن يوسّع الله عليها في قبرها)).

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! علی، جعفر، عقیل کی ماں نے انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو میری ماں کی تجہیز و تکفین کے لیے تو ہم لوگ کھڑے ہوگئے اور جو لوگ حضور کے ساتھ چلے سب خموش باادب تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جب ہم لوگ دروازہ پر پہونچے تو حضور اقدس ﷺ نے قمیض مبارک اتار کر عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ غسل دے چکو تو اس کو بدن سے متصل کفن کے نیچے رکھنا پس جنازہ لے چلے۔ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کبھی جنازہ اٹھاتے، کبھی آگے چلتے اور کبھی جنازے کے پیچھے چلتے، یہاں تک کہ ہم لوگ قبر تک پہونچے پس حضور قبر میں لیٹے پھر باہر تشریف لائے پھر فرمایا خدا آپ کو بہتر جزا دے اے میری ماں اور پرورش کرنے والی! کیا اچھی آپ میری ماں اور پرورش کرنے والی تھیں! پس ہم لوگوں نے عرض کیا، حضور! آپ نے دو باتیں ایسی کیں جو کبھی نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ کون کون سی باتیں ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا ایک تو قمیص مبارک کا اتار کر کفن کے لیے دینا اور دوسری بات قبر میں لیٹنا۔ ارشاد ہوا کہ قمیص اتار کر اس لیے دی کہ اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ آگ ان کو کبھی نہ چھوئے گی اور قبر میں اس لیے لیٹا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر وسیع و فراخ کر دے''۔

(وفاالوفا، ص۸۸، جلد۲)

نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا:

((عَن جَابر قَالَ: رُشَّ قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الَّذِي رَشَّ الْمَاءَ عَلَى قَبْرِهِ بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ بِقِرْبَةٍ بَدَأَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى رِجْلَيْهِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ. فِي دَلَائِل النُّبُوَّة))۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جس نے قبر مبارک پر پانی چھڑکا وہ بلال بن رباح ہیں، مشک سے پانی چھڑکا۔ سرہانے کی طرف سے شروع کیا اور پائنتی کی طرف ختم کیا"۔ (مشکوۃ، ص۱۴۹)

ملاعلی قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد دوم، ص۲۷۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ((قال الطيبي: لعل ذلك إشارة إلى استنزال الرحمة الإلهية، والعواطف الربانية، كما ورد في الدعاء اللهم اغسل خطاياه بالماء والثلج والبرد, وقالوا: سقى الله ثراه وبرد مضجعه, أو إلى الدعاء بالطراوة وعدم الدروس. قال ميرك: ولعل الحكمة فيه أن القبر إذا رش بالماء كان أكثر بقاء وأبعد عن التناثر والاندراس، قلت: هذا أمر ظاهر حسي لا يحتاج إلى نقل، وهو مأخوذ من العبارة، وأما ما ذكره الطيبي من الإشارة فهو في غاية اللطافة، ونهاية من الشرافة، ونظيره أن أحداً من المريدين بنى بيتاً ثم ضيف شيخه فقال له الشيخ: لأي شيء فتحت الطاقة؟ قال: لدخول الهواء، وشمول الضياء، فقال: هذا أمر ظاهر حاصل لا محالة، لكن كان ينبغي أن تقصد بالأصالة سماع الأذان، ويكون الباقي تبعا له)).

"علامہ طیبی نے فرمایا کہ پانی چھڑکنا رحمت الٰہیہ وعواطف ربانیہ کے نزول کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دعا میں وارد ہے۔ "خداوندا! دھودے اس کے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے اور لوگ دعا کے وقت کہا کرتے ہیں سقى الله ثراه وبرد مضجعه یا تراوٹ اور نہ مٹنے کی دعا طرف اشارہ ہے۔ علامہ میرک کہتے ہیں کہ اس

میں یہ حکمت ہے کہ قبر پر جب پانی چھڑک دیا جاتا ہے تو اس کی بقا زیادہ ہو جاتی ہے اور انتشار اور مٹنے سے دور ہو جاتی ہے۔ ملا علیٰ قاری فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں یہ تو ظاہر اور محسوس ہے، اس کی نقل کی ضرورت نہیں اور یہ تو عبادت ہی سے ظاہر ہے اور علامہ طیبی نے جو اشارہ ذکر کیا، وہ غایت لطیف اور بہت ہی خوب ہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے کہ کسی مرید نے ایک گھر بنایا اور اپنے شیخ کی دعوت کی شیخ نے پوچھا اس میں روشندان کس لئے رکھا ہے، مرید نے کہا کہ ہوا اور روشنی کے لئے۔ شیخ نے کہا یہ تو ظاہر ہے، یقیناً ہونا ہی ہے لیکن مناسب یہ تھا کہ اصل مقصد اذان کی آواز آنا ہوتا، باقی ہوا اور روشنی بالتبع مراد ہوتی، ونعم من قال ؎

سرمہ کہ برائے نور چشم ست
زیبائش چشم او طفیل ست

((عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: «سَلَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدًا، وَرَشَّ عَلَى قَبْرِهِ مَاءً»))۔(رواہ ابن ماجۃ)۔ "ابن ماجہ حضرت ابورافع سے راوی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کسی ضرورت یا بیان جواز کے لئے حضرت سعد کو سر ہانے کی طرف سے قبر میں داخل کیا اور ان کے قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا"۔

((وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ مُرْسَلًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حثا عَلَى الْمَيِّتِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيعًا وَأَنَّهُ رَشَّ عَلَى قَبْرِ ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ. رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى الشَّافِعِيُّ من قَوْله: «رش»))۔

"علامہ بغوی شرح السنہ میں امام جعفر صادق سے وہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے مرسلاً راوی۔ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میت پر دونوں ہاتھوں سے تین لپ مٹی ڈالی اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔ اس حدیث کو امام شافعی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے بھی روایت کیا مگر صرف ورش سے"(مشکوۃ شریف ص۱۴۸)

مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۷۷ میں ہے:((قال ابن الملك: ويسن حيث لا مطر رش القبر بماء بارد، وطاهر طهور تفاؤلاً بأن الله يبرد مضجعه)).
"ابن مالک نے کہا کہ جب بارش نہ ہو تو قبر پر ٹھنڈا طاہر مطہر پانی چھڑکنا مسنون ہے، اس بات کی تفاول کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خوابگاہ ٹھنڈی کرے"۔

اسی میں ہے ص۳۷۸:((وَرَوَى الْبَزَّارُ أَنَّهُ أَمَرَ بِالرَّشِّ فِي قَبْرِ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ))۔"بزاز نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پانی چھڑکنے کا حکم دیا"۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات حاشیہ مشکوۃ ص۱۴۹ میں تحت حدیث جابر رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

((وذلك لمصلحة رآها أصحاب رسول الله ﷺ، والعلة في رش قبر غيره ﷺ التفاؤل باستنزال الرحمة وغسل الخطايا وتطهير الذنوب، وعلل أيضاً بأن يمسك تراب القبر عن الانتشار ويمنع من الدروس))۔"صحابہ کرام نے جو رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا، وہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہوا جو ان لوگوں نے سمجھا ہو۔ رہا حضور کے سوا اوروں کی قبر پر پانی چھڑکنے کی علت تو نزول رحمت اور خطا دھلنے، گناہوں سے پاک صاف ہونے کی نیک فال ہے اور قبر کی مٹی کو منتشر ہونے سے بچانے سے اور قبر کو مٹنے سے محفوظ رکھنا بھی اس کی علت بیان کی گئی ہے"۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد ۱ ص ۸۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں:((قوله: ولا بأس برش الماء عليه. بل ينبغي أن يندب «لأنه ﷺ فعله بقبر سعد» كما رواه ابن ماجه« وبقبر ولده إبراهيم» كما رواه أبو داود في مراسيله «وأمر به في قبر عثمان بن مظعون» كما رواه البزار))۔"قبر پر پانی چھڑکنا مندوب ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت سعد کی قبر پر پانی چھڑکا جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر جیسا کہ مراسیل ابوداؤد میں ہے اور حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا جیسا کہ بزار کی روایت میں ہے"۔

دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا:

اتحاف السادۃ المتقین جلد ۱۰ ص ۳۶۸ میں ہے: ((قال سعيد بن عبد الله الأودي: شهدت أبا أمامة الباهلي وهو في النزع فقال: يا سعيد إذا أنا مت فاصنعوا بي كما أمر رسول الله ﷺ فقال: إذا مات أحدكم فسويتم عليه التراب فليقم أحدكم على رأس قبره ثم ليقل: يا فلان بن فلان بن فلانة فإنه يسمع ولا يجيب ثم ليقل: يا فلان بن فلانة فإنه يستوي قاعداً ثم ليقل: يا فلان بن فلانة الثالثة فانه يقول: أرشدنا يرحمك الله ولكن لا تسمعون فيقول له : اذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة: أن لا اله الا الله وأن محمداً ورسول الله, وأنك رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد ﷺ نبياً وبالقرآن إماماً, فان منكراً ونكيراً يأخذ كل واحد منهما بيد صاحبه ويقول: انطلق بنا ما قعدنا عند هذا وقد لقن حجته فيكون الله حجيجه دونهما, فقال رجل: يا رسول الله فإن لم يعرف اسم أمه؟ قال: فلينسبه إلى حواء))۔

"سعید بن عبد اللہ اودی کہتے ہیں کہ میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جس وقت وہ حالت نزع میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے سعید! میں جب مر جاؤں تو میرے ساتھ وہ کام کرو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب تم سے کوئی آدمی مرے اور تم بعد دفن اس پر مٹی برابر کرو چکو تو ایک آدمی اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور کہے اے فلان بن فلان تو وہ سنے گا مگر جواب نہ دے گا پھر دوسری مرتبہ کہے اے فلان بن فلان اس کو سن کر وہ بیٹھ جائے گا پھر تیسری مرتبہ کہے اے فلان بن فلانہ تب وہ کہے گا کہ کہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، لیکن اس کہنے کو تم نہ سنو گے۔ تب وہ شخص کہے یاد کرو اس عقیدہ کو جس پر تم دنیا سے نکلے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور

محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں اور تو راضی ہے اس بات پر کہ خدا تیرا رب ہے، اسلام تیرا دین اور محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں اور قرآن شریف تیرا پیشوا ہے۔ یہ سن کر منکر نکیر دونوں پیچھے ہٹیں گے اور ایک دوسرے سے کہیں گے کہ چلو کیا بیٹھیں اس کے پاس جس کو حجت تلقین کی گئی اور اللہ تعالیٰ اس شخص اور ان دونوں فرشتوں کے درمیان ہوگا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ یارسول اللہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، تو ارشاد ہوا فلاں بن حوا کہنا"۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص۳۶۸ میں فرماتے ہیں:((رواه الطبراني في الكبير وفي كتاب الدعاء وابن منده في كتاب الروح وابن عساكر والديلمي ورواه ابن منده من وجه آخر عن أبي أمامة قال: إذا مت فدفنتموني فليقم إنسان عند رأسي فليقل: يا صدي بن عجلان أذكر ما كنت عليه في الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله. ورواه ابن عساكر من وجه آخر عن أبي أمامة رفعه: إذا مات الرجل منكم فدفنتموه فليقم أحدكم عند رأسه فليقل: يا فلان بن فلانة فإنه يسمع فليقل: يا فلان بن فلانة فإنه يستوي قاعداً فليقل: يا فلان ابن فلانة فإنه سيقول له: أرشدني يرحمك الله فليقل أذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله, وأن الساعة آتية لا ريب فيها, وأن الله باعث من في القبور, فإن منكراً ونكيراً عند ذلك يأخذ كل واحد بيد صاحبه ويقول: قم ما تصنع عند رجل لقن حجته فيكون الله تعالى حجيجهما دونه)).

"روایت کیا اس کو طبرانی نے کبیر میں اور کتاب الدعا اور ابن مندہ نے کتاب الروح میں اور ابن عساکر اور دیلمی نے اور روایت کیا اس کو ابن مندہ نے دوسرے طریقہ سے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے۔ انہوں نے کہا کہ جب میں مر جاؤں اور تم لوگ مجھ کو دفن کر چکو تو چاہئے کہ کھڑا ہو ایک آدمی میری قبر کے سرہانے اور

کہے: ”اے صدی بن عجلان! یاد کرو اس شے کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی شہادت اس بات کی کہ نہیں ہی کوئی معبود بجز اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد ﷺ، اللہ کے رسول ہیں“ روایت کیا اس کو ابن عسا کرنے دوسرے طریقے سے ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے اور مرفوع کیا اس کو ”جب مر جائے کوئی مرد تم لوگوں میں سے اور دفن کر چکو اس کو تو چاہیئے کہ کھڑا ہو جائے کوئی تم لوگوں میں کوئی اس کے سرہانے اور یوں کہے اے فلاں بن فلانہ! بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ! پس وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ! پس بیشک وہ اسے کہتا ہے کہ رہبری کرو میری رحم کرے گا تم پر اللہ تعالیٰ۔ اس کے بعد اسے کہنا چاہیئے کہ” یاد کرو جس چیز پر تم نکلے ہو دنیا سے (یعنی) اس بات کی شہادت کہ نہیں ہے معبود کوئی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھانے والا ہے ان لوگوں کو جو قبر میں ہیں پس بیشک اس وقت منکر اور نکیر پکڑتے ہیں ہر ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ کو اور کہتے ہیں اٹھو کیا کرو گے ایسے مرد کے پاس جو تلقین کیا جا رہا ہے اپنی حجت کہ ہو جائے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی طرف سے جھگڑنے والا اس وقت“۔

اسی میں ص۳۶۹ میں ہے :((وروی سعید بن منصور عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ وَضَمْرَةَ بْنِ حَبِيبٍ وَحَكِيمِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالُوا: إِذَا سُوِّيَ عَلَى الْمَيِّتِ قَبْرُهُ وَانْصَرَفَ النَّاسُ عَنْهُ كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُقَالَ لِلْمَيِّتِ عِنْدَ قَبْرِهِ: يَا فُلَانُ قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، يَا فُلَانُ قُلْ: رَبِّيَ اللَّهُ، وَدِينِي الْإِسْلَامُ وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))۔ ”سعید بن منصور، راشد بن سعد اور ضمرہ بن حسیب اور حکیم بن عمیر سے راوی۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب مردے پر مٹی برابر کر دیں اور لوگ اس سے واپس پھریں تو مستحب ہے کہ میت کی قبر کے پاس

یہ کہا جاوے اے فلاں کہہ لا الہ الا اللہ۔ تین مرتبہ اس کو کہیں۔ اے فلاں کہہ رب میرا اللہ، دین میرا اسلام، نبی میرے محمد ﷺ ہیں۔"

علامہ شامی ردالمختار جلد اور ص٦٩٦ میں تحریر فرماتے ہیں:((قوله: ولا يلقن بعد تلحيده: ذكر في المعراج أنه ظاهر الرواية ثم قال: وفي الخبازية والكافي عن الشيخ الزاهد الصفار: أن هذا على قول المعتزلة؛ لأن الإحياء بعد الموت عندهم مستحيل أما عند أهل السنة فالحديث أي «لقنوا موتاكم لا إله إلا الله» محمول على حقيقته لأن الله تعالى يحييه على ما جاءت به الآثار وقد روي عنه عليه الصلاة والسلام «أنه أمر بالتلقين بعد الدفن فيقول: يا فلان بن فلان اذكر دينك الذي كنت عليه من شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدًا رسول الله. الخ)).

"معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ان کے نزدیک محال ہے اور اہل سنت کے نزدیک لقنو اموتاکم لاالہ الااللہ اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ کرے گا اور حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا ہے تو کہے اے فلاں بن فلانہ ! یاد کرو اس دین کو جس پر تم دنیا میں تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں"۔

گیارھواں طریقہ: دعائے تثبیت کرنا:

((عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: «اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ». رواه أبو داود, جلد 2 102)). "ابوداؤد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور اقدس ﷺ جب دفن میت سے فارغ ہوتے، قبر

کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا اور سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے قول ثابت پر ثابت و قائم رکھے اس لئے کہ اس وقت وہ سوال کیا جائے گا۔ منکر نکیر اس سے پوچھنے کو آئیں گے"۔

((وعن ابن مسعود قال: كان رسول الله ﷺ يقف على القبر بعد ما يسوى عليه، فيقول: اللهم نزل بك صاحبنا، وخلف الدنيا خلف ظهره، اللهم ثبت عند المسألة منطقه، ولا تبتله في قبره بما لا طاقة له به. رواه سعيد بن منصور)). "سعید بن منصور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد درستی قبر پر ٹھہرتے اور دعا کرتے خداوند امیر اصحابی تیرے پاس اترا ہے اور دنیا کو اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑا۔ خداوندا سوال کے وقت اس کی بولی ثابت و درست رکھ اور قبر میں اسے جانچ میں مبتلا نہ کر جس کی اسے طاقت نہ ہو"۔

((وروى ابن ماجة والبيهقي في السنن عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، قَالَ: حَضَرْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي جِنَازَةٍ ابنة له فَلَمَّا وَضَعَهَا فِي اللَّحْدِ، قَالَ: «بِسْمِ اللَّهِ، وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ» فَلَمَّا أُخِذَ فِي تَسْوِيَةِ اللَّحْدِ قَالَ: «اللَّهُمَّ أَجِرْهَا مِنَ الشَّيْطَانِ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» فَلَمَّا سَوَّى الْكُثِيبَ عَلَيْهَا قَامَ جَانِبَ الْقَبْرِ ثُمَّ قَالَ: "اللهُمَّ جَافِ الْأَرْضَ عَنْ جنبيها وَصَعِّدْ بِرُوحِهَا وَلَقِّهَا مِنْكَ رِضْوَانًا"، ثم قال: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))۔

"ابن ماجہ و بیہقی سنن میں حضرت ابن مسیّب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کے جنازہ میں حاضر ہوا تو جب آپ نے ان کو لحد میں رکھا تو "بسم اللہ وفی سبیل اللہ" کہا، جب قبر برابر کرنے لگے تو "اللھم اجرھا من الشیطان ومن عذاب القبر" کہا یعنی خداوندا اس کو شیطان اور قبر کے عذاب سے بچا اور جب مٹی برابر کر چکے تو قبر کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ قبر کو دونوں طرف سے پھیلا دے اور اس کی

روح کو بلند فرما اور اس سے رضامندی کے ساتھ ملاقات کر۔ پھر کہا کہ اسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا"۔

((وروى ابن أبي شيبة عن قتادة أن أنساً دفن ابناً له فقال:« اللَّهُمَّ جَافِ الْأَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ، وَافتَحْ أَبْوَابَ السمَاءِ لِرُوحِهِ، وَأَبْدِلْهُ بِدَارِهِ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ»)). "ابن ابی شیبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو دفن کیا پس کہا خداوندا زمین کو اس کی دونوں جانب سے کشادہ فرما اور اس کی روح کے لئے آسمان سے دروازے کھول دے اور اس کا گھر بدل دے جو دنیوی گھر سے بہتر ہو"۔

حکیم ترمذی نوادر الاصول مین فرماتے ہیں:((الوقوف على الْقَبْر وسؤال التثبيت فِي وَقت الدفن مدد للْمَيت بعد الصَّلَاة؛ لِأَن الصَّلَاة بِجَمَاعَة الْمُؤمنِينَ كالعسكر لَهُ، وقد اجْتَمعُوا بِبَاب الْملك يشفعون لَهُ، وَالْوُقُوف على الْقَبْر لسؤال التثبيت وَقت الدفن مدد الْعَسْكَر وَذلك سَاعَة شغل الميت. الكل من شرح الإحياء ج 1 ص 368)). "قبر پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا دفن کے وقت، یہ نماز جنازہ کے بعد میت کی مدد ہے۔ اس لئے کہ جماعت مومنین کے ساتھ نماز پڑھنا مثل لشکر کے ہے۔ بادشاہ کے دروازہ پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔ اس لشکر کی مدد ہے۔ کیونکہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے۔"

بارھواں طریقہ: بعد دفن قبر پر اذاں دینا:

امام احمد طبرانی و بیہقی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے راوی: ((قَالَ: لما دفن سَعْد بْن مُعَاذٍ(زاد في رواية) وسُوِّيَ عَلَيْهِ، سَبَّحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَبَّحَ الناسُ معه طَوِيلًا، ثُمَّ كَبَّرَ وكَبَّرَ الناسُ، ثم قالوا: يَا رَسُولَ اللهِ، لِمَ سَبَّحْتَ ؟زاد في رواية ثُمَّ كَبَّرْتَ ؟ قَالَ: "لَقَدْ تَضَايَقَ عَلَى هَذَا

الرجلِ الصَّالِحِ قَبْرَ حَتَّى فَرَّجَ اللهُ تعالى عَنْهُ))۔"جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہوچکے اور قبر درست کر دی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے۔ پھر صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضور اوّل تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اس سے دور کر دی اور قبر کشادہ فرمادی"۔

علامہ طیبی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:((أي: ما زلت أكبر وتكبرون وأسبح وتسبحون حتى فرجه الله)). "حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی"۔

اقول اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔ غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ کلمات طیبات زائد ہیں،سو ان کی زیادت نہ معاذاللہ کچھ مضر، نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زائد مفید و موئد مقصود ہے کہ رحمت الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔ علاوہ بریں بالا تفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں ثابت کہ میت کے پاس حالت نزع میں کلمہ طیبہ لاالہ الااللہ کہتے رہیں کہ اسے سن کر یاد ہو۔

حدیث میں ہے:((لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ. رواه الإمام أحمد ومسلم وأبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجة عن أبي سعيد الخدري, وابن ماجة كمسلم عن أبي هريرة, وكالنسائي عن أم المؤمنين عائشة رضي الله عنهم)).

اب جو نزع میں ہے وہ مجاز مراد ہے اور اسے کلمہ' اسلام سکھانے کی حاجت کہ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقۃً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہ کلمہ لاالہ الااللہ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں۔ ان کے سوال تین ہیں مَن ربّكَ ؟ تیرا رب کون ہے، مَادينُكَ ؟ تیرا دین کیا ہے۔ ما كُنتَ تقول في هذا الرجل ؟ تو اس مرد یعنی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔ اب اذان کی ابتداء میں ((اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلا اللهُ, أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلا اللهُ)). اوراخیر میں((اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلا اللهُ، من ربك؟ سکھائیں گے۔ ان کے سننے سے یاد آئے گا میرا رب اللہ ہے اور ((أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ الله)) سوال ((ما كنت تقول في هذا الرجل ؟))کا جواب تعلیم دیں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور ((حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ))، جواب ((مادينك)) کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن و ستون ہے کہ ((الصلوٰة عماد الدين))تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حدیث صحیح مذکور میں فرمایا۔ نیز علم والا ہر شخص جانتا ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکیرین ہوتا ہے۔ شیطان رجیم (اللہ عزوجل صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ وأفضل الصلوٰة والتسليم۔ کا ہر مسلمان مردوزن کو حیات و ممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے)وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے:((والعياذ بوجه العزيز الكريم, ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم))۔

امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں:((ویؤیده من الأخبار قول النبي ﷺ عِنْد دفن الْمَيّت اللّهُمَّ أجره من الشَّيْطَان. فلو لم يكن للشيطان هناك سبيل ما دعا ﷺ بذلك)).
"وہ حدیثیں اس کی موید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے: الٰہی اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے"۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إذا أذن المؤذن أدبر الشيطان وله حصاص)). "جب موذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھر کر دور بھاگتا ہے"۔
"صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہوجائے گا: ((أخرجه الإمام أبو القاسم سليمان بن أحمد والطبراني في أوسط معاجمه عن أبي هريرة رضي الله عنه)).

ہم نے اپنے رسالہ:((نسيم الصبا في أن الأذان يحول الوبا))۔میں اس مطلب پر بہت احادیثیں نقل کیں اور جب ثابت ہو گیا کہ وہ وقت عیاذ اباللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہو کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہو تو یہ خاص حدثیوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالامال۔ اس مسلئہ میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد ماۃ حاضر جناب مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ القوی نے ایک مستقل رسالہ بنام :((إيذان الأجر في أذان القبر))۔ تصنیف فرمایا جس میں

پندرہ دلیلوں سے اس مسئلہ کو مدلل فرمایا۔ یہ تین دلیلیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام بن حجر مکی اپنے فتاویٰ اور علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب ردمختار نے حاشیہ ''بحر الرائق'' میں ان کا یہ قول نقل فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''ملفوظات عزیزی'' میں ہے: عمل مشائخ ست کہ اذان بر قبر بعد دفن می گویند''۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر اذان دینا بزرگوں سے چلا آرہا ہے اور وہ سب حدیثیں اس عمل خیر کی اصل ہیں۔ واللہ الہادی۔

تیرھواں طریقہ:

قبر کے اوپر کھجور کی شاخ یا کوئی لکڑی یا کوئی سبزی وغیرہ رکھنا:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ المَدِينَةِ، أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:«يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ» ثُمَّ قَالَ: «بَلَى، كَانَ أَحَدُهُمَا لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ». ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ، فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوَضَعَ عَلَى كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كِسْرَةً، فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ قَالَ: «لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا». رواه البخاري ومسلم وأبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجة)).

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ گزرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مدینہ کے باغوں سے کسی باغ میں تو دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ان پر قبر میں عذاب ہورہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہورہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہورہا جس سے بچنا

مشکل ہو۔ پھر فرمایا ان میں ایک آدمی تو اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا پھر کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور اس کو دو ٹکڑا کیا اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھا۔ صحابہ نے عرض کی حضور نے ایسا کس لئے کیا؟ فرمایا تاکہ ان دونوں پر عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں"۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد اور ص ۸۷۴ میں فرماتے ہیں:((قَوْله: لَعَلَّه ايْنَ يُخَفف عَنْهُمَا أَي: لَعَلَّه يُخَفف ذَلِك من نَاحيَة التَّبَرُّك بأثر النَّبِي، عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام، ودعائه بِالتَّخْفِيفِ عَنْهُمَا، فكَأَن صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جعل مُدَّة بَقَاء النداوة فيهمَا حدا لما وَقعت لَهُ الْمَسْأَلَة من تَخْفيف الْعَذَاب عَنْهُمَا، وَلَيْسَ ذَلِك من أجل أَن فِي الرطب معنى لَيْسَ فِي الْيَابِس، قَالَه الْخطابِيّ. وَقَالَ النَّوَوِيّ: قَالَ الْعلمَاء: هُوَ مَحْمُول على أَنه صلى الله عَلَيْهِ وَسلم سَأَلَ الشَّفَاعَة لَهما فأجيبت شَفَاعَته بِالتَّخْفِيفِ عَنْهُمَا إِلَى أَن ييبسا. وَقيل: يحْتَمل أَنه صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَدْعُو لَهما تِلْكَ الْمدَّة، وَقيل: لِكَوْنِهِمَا يسبحان مَا دامتا رطبتين وَلَيْسَ لليابس بتسبيح، قَالُوا: فِي قَوْله تَعَالَى: ﴿وَإِن من شَيْء إلاَّ يسبح بِحَمْدِهِ﴾ [الْإِسْرَاء: 44]. مَعْنَاهُ: وَإِن من شَيْء حَيّ، ثمَّ حَيَاة كل شَيْء بِحَسبِهِ، فحياة الْخَشَبَة مَا لم ييبس وحياة الْحجر مَا لم يقطع))۔

"تخفیف عذاب کے سبب میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا کہ تخفیف عذاب بوجہ برکت اثر نبی کریم ﷺ و دعائے تخفیف ہے کہ حضور نے جریدہ کی تری باقی رہنا، تخفیف عذاب کی حد قرار دیا اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تر لکڑی میں کوئی ایسی خوبی ہے جو خشک میں نہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علمائے کرام فرماتے ہیں: یہ اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب تک وہ دونوں لکڑیاں خشک نہ ہوں، ان دونوں کے تخفیف عذاب کی دعا و سفارش فرمائی تو تا خشک ہونے ان کے، حضور کی شفاعت دربارہ تخفیف عذاب مقبول

ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مدت ان دونوں کے لئے دعا کرتے ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہو کہ جب تک وہ دونوں تر ہیں، خداوند عالم کی تسبیح کرتے ہیں اور اس سے تخفیف عذاب ہوتی ہے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی۔ علما نے ﴿وَإِن من شَيْء إلاَّ يسبح بِحَمْدِهِ﴾ کے معنی میں کہا کہ کوئی زندہ چیز نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو پھر ہر چیز کی حیات اس کے مطابق ہوتی ہے۔ لکڑی کی حیات اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی حیات اس وقت تک ہے کہ کاٹا نہ جائے“۔

فتح الباری شرح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے:((وقد قيل إن المعنى فيه أنه يسبح ما دام رطباً فيحصل التخفيف ببركة التسبيح, وعلى هذا فيطرد في كل ما فيه رطوبة من الأشجار وغيرها, وكذلك فيما فيه بركة كالذكر وتلاوة القرآن من باب الأولى... وقد تأسى بريدة بن الحصيب الصحابي بذلك فأوصى أن يوضع على قبره جريدتان كما سيأتي في الجنائز من هذا الكتاب, وهو أولى أن يتبع من غيره)).

”اور کہا گیا ہے کہ تخفیف عذاب کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کی شاخ جب تک تر رہے گی، خدا کی پاکی بیان کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو گی اور اس بنا پر یہ برکت درخت وغیرہ ہر اوس چیز کو عام ہو گی جس میں تری ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز میں جو متبرک ہے اور جیسے ذکر اور تلاوت قرآن میں بدرجہ اولیٰ یہ برکت ہو گی اور حضرت بریدہ ابن الحصیب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی پیروی کی۔ وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو شاخ کھجور کی رکھی جائے۔ اس کا بیان اسی کتاب کے ”باب الجنائز“ میں آئے گا اور حضرت بریدہ زیادہ مستحق اس امر کے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے باعتبار دوسروں کے“۔

ارشاد الساری شرح بخاری علامہ خطیب قسطلانی جلد ۲ص ۱۷۳ میں ہے:

((أو أن المعنى فيه أنه يسبح ما دام رطبًا، فيحصل التخفيف ببركة التسبيح، وحينئذ فيطرد في كل ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول وغيرها، وليس لليابس تسبيح، قال تعالى:﴿ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾ [الإسراء: 44] أي: شيء حي، وحياة كل شيء بحسبه، فالخشب ما لم ييبس، والحجر ما لم يقطع من معدنه))۔ **"اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ شاخ تر رہے، گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو گی اور اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تر ہے، یہ حکم عام ہو گا، خوشبو ہو یا سبزی وغیرہ اور خشک چیز تسبیح نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کوئی زندہ چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور زندگی ہر چیز کی اس کے مناسب ہوتی ہے تو لکڑی کی زندگی اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی اس وقت تک ہے کہ اپنے کان سے کاٹا نہ کائے"۔**

امام جلال الدین سیوطی "شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور" میں فرماتے ہیں:((قَالَ الْخطابِيّ: هَذَا عِنْد أهل الْعلم مَحْمُول على أَن الْأَشْيَاء مَا دَامَت على خلقتها أَو خضرتها وطراوتها فَإِنَّهَا تسبح حَتَّى تجف رطوبتها أَو تحول خضرتها أَو تقطع عَن أَصْلهَا. وَقَالَ غير الْخطابِيّ: فَإِذا خفف عَنْهُمَا بتسبيح الجريد فَكيف بِقِرَاءَة الْمُؤمن الْقُرْآن؟ قَالَ: وَهَذَا الحَدِيث أصل فِي غرس المؤمن الْأَشْجَار عِنْد الْقُبُور. وَأخرج ابْنِ عَسَاكِر من طَرِيق حَمَّاد بن سَلمَة عَن قَتَادَة أَن أَبَا بَرزَة الْأَسْلَمِيّ رَضِي الله عَنهُ كَانَ يحدث أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مر على قبر وَصَاحبه يعذب فَأخذ جَرِيدَة فغرسها فِي الْقَبْر وَقَالَ عَسى أَن يرفه عَنهُ مَا دَامَت رطبَة, فَكَانَ أَبُو بَرزَة يُوصي إِذا مت فضعوا فِي قَبْرِي معي جريدتين قَالَ فَمَاتَ فِي مفازة بَين كرمان وقومس

فَقَالُوا كَانَ يوصينا أَن نضع فِي قَبره جريدتين وَهَذَا مَوضِع لَا نصيبهما فِيهِ, فَبَيْنَمَا هم كَذَلِكَ إِذْ طلع عَلَيْهِم ركب من قبل سجستان فَأَصَابُوا مَعَهم سَعَفًا فَأَخذُوا مِنْهُ جريدتين فوضعوهما مَعَه فِي قَبره, وَأخرج ابْن سعد عَن مُسروق قَالَ: أوصى بُرَيْدَة أَن تجْعَل فِي قَبره جريدتان))۔

"علامہ خطابی نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کا ان دونوں کی قبروں پر جریدہ رکھنا، اس بات پر محمول ہے کہ اشیاء جب تک اپنی اصل خلقت اور سبزی وتری پر رہتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی رطوبت خشک ہو یا اس کی سبزی جاتی رہے یا اصل سے وہ چیز قطع کر دی جائے۔ اور خطابی کے سوا دیگر علما نے فرمایا کہ جب بہ سبب تسبیح شاخ خرما ان دونوں مردوں سے عذاب میں تخفیف کی گئی تو مومن کے قرآن شریف پڑھنے کے سبب کس قدر تخفیف ہوگی اور یہ حدیث مسلمانوں کی قبروں کے پاس درخت لگانے کی اصل ہے اور ابن عساکر نے بطریق حماد بن سلمہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ حدیث شریف بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر پر گزرے اور قبر والے شخص پر عذاب کیا جارہا تھا تو حضور نے کھجور کی ایک شاخ لے کر اس کو اس قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی، اللہ تعالیٰ اس مردہ سے عذاب اٹھالے گا اور ابو برزہ وصیت کرتے تھے کہ جب میں مروں تو میری قبر میں کھجور کی شاخ تر رکھنا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اتفاق وقت کہ ان کا انتقال کرمان اور قومس کے درمیان ایک میدان میں ہوا۔ لوگوں نے کہا ان کی وصیت یہ تھی کہ ان کی قبر پر کھجور کی دو شاخیں رکھیں اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں کھجور کی شاخ نصیب نہیں۔ بس ہم لوگ اسی شش و پنج میں تھے کہ سجستان کی طرف سے ایک جماعت آتی ہوئی نظر آئی۔ ان کے ساتھ کھجور کی شاخیں تھیں۔ لوگوں نے ان سے دو شاخیں لے لیں اور ان کی قبر میں رکھا"۔

علامہ ابن حجر مکی فتاوی حدیثیہ ص ۲۰۰ میں اس حدیث بخاری کے متعلق سوال کے جواب میں تحقیق و تفصیل کے بعد لکھتے ہیں: ((وَبِمَا قَرّرته يعلم أَنه يسن لكل أحد اتباعاً لَهُ ﷺ, فَإِن الأَصْل فِي أَفعاله ﷺ التأسي إِلَّا مَا دلّ دَلِيل على الخصوصية وَلَا دَلِيل هُنَا عَلَيْهَا فندب لنا التأسي بِهِ صلى الله عليه وسلم فِي ذَلِك))۔ "اور جو کچھ میں نے تقریر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے مسنون ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے اتباع میں قبر پر شاخ تر خرما کی رکھے۔ اس لئے کہ اصل حضور کے افعال میں اقتدا کرنا ہے۔ ہاں! جب کوئی دلیل خصوصیت کی ہو تو البتہ مخصوص ہو گا اور اس جگہ کوئی دلیل تخصیص نہیں تو اس مسئلہ میں حضور اقدس ﷺ کی اقتدا کرنا مندوب و مستحسن ہو گا"

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ اس حدیث سے علمائے کرام نے تین مسئلے استنباط فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ قبر کے پاس قرآن شریف کی تلاوت مستحب و مندوب ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلد ا ص ۲۸۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:((واستحب العلماء قراءة القرآن عند القبر لهذا الحديث, إذ تلاوة القرآن أولى بالتخفيف من تسبيح الجريد، وقد ذكر البخاري أن بريدة بن الحصيب الصحابي أوصى أن يجعل في قبره جريدتان، فكأنه تبرك بفعل مثل فعل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم))۔ "علما نے اس حدیث سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی تلاوت تخفیف عذاب میں تسبیح جریدہ سے ضرور اولیٰ ہے اور بخاری نے ذکر کیا کہ بریدہ بن خصیب صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں کھجور کی رکھی جائیں تو گویا انہوں نے مثل فعل رسول سے برکت لینا چاہا"۔

عینی شرح بخاری جلد اور ص۸۷۴ میں ہے: ((وَاسْتحبَّ الْعلمَاء قِرَاءَة الْقُرْآن عِنْد الْقَبْر لهَذَا الحَدِيث، لِأَنَّهُ إِذا كَانَ يُرْجَى التَّخْفِيف لتسبيح الجريد، فتلاوة الْقُرْآن أولى))۔ **"اس حدیث سے علمانے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب قرار دیا۔ اس لئے کہ جب تسبیح جریدہ سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو تلاوت قرآن سے تخفیف عذاب بدرجہ اولیٰ ہوگی۔**

شرح احیاء العلوم علامہ سید مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۲۹ میں ہے: ((قال السيوطي في شرح الصدور: وأما قراءة القران على القبر فجزم بمشروعيتها أصحابنا وغيرهم قال الزعفراني: سألت الشافعي عن القراءة عند القبر فقال: لا بأس به. وقال النووي: في شرح المهذب: يستحب لزائر القبور أن يقرأ ما تيسر من القرآن ويدعو لهم عقبها. نص عليه الشافعي واتفق عليه الأصحاب. زاد في موضع آخر: وأن ختموا القرآن على القبر كان أفضل, وقد سئل الشمس محمد بن على بن محمد بن عيسى العسقلاني الكناني السمهودي الشافعي عرف بابن القطان المتوفى 813 وهو من مشايخ الحافظ ابن حجر عن مسائل فأجاب, ومنها: وهل يصل ثواب القراءة للميت أو لا؟ فأجاب عنها في رسالة سماها "القول بالإحسان العميم في انتفاع الميت بالقران العظيم" وأنا أذكر منها ما يليق بالمقام مع الاختصار, قال رحمه الله تعالى: اختلف العلماء في ثواب القراءة للميت, فذهب الأكثرون الى المنع وهو المشهور من مذهب الشافعي ومالك ونقل عن جماعة من الحنفية, وقال كثير منهم يصل, وبه قال الامام أحمد بعد أن قال: القراءة على القبر بدعة بل نقل عنه أنه يصل إلى الميت كل شيء من صدقة وصلاة وحج وصوم واعتكاف وقراءة وذكر وغير ذلك, ونقل ذلك عن جماعة من السلف.

ونقل عن الشافعي على قبره واختاره شيخنا شهاب الدين بن عقيل وتواتر أن الشافعي زار الليث بن سعد وأثنى عليه خيراً وقرأ عنده ختمة, وقال: أرجو أن تدوم, فكان الأمر كذلك.

وقال القرطبي: وقد استدل بعض علمائنا على قراءة القران على القبر بحديث العسيب الرطب الذى شقه النبي صلي الله عليه وسلم باثنين ثم غرس على قبر نصفاً وعلى قبر نصفاً, وقال: لعله يخفف عنهما مالم ييبسا. رواه الشيخان. قال: ويستفاد من هذا غرس الأشجار وقراءة القران على القبور, وإذا خفف عنهم بالأشجار فكيف بقراءة الرجل المؤمن القران. وقال النووي: استحب العلماء قراءة القران عند القبر واستأنسوا لذلك بحديث الجريدتين, وقالوا: إذا وصل النفع إلى الميت بتسبيحهم حال رطوبتها فانتفاع الميت بقراءة القران عند قبره أولى, فإن قراءة القرآن من إنسان أعظم وأنفع من التسبيح من عود. انتہی)).

”امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن شریف کا قبر پر پڑھنا تو ہمارے اصحاب اور دوسروں نے اس کے مشروع ہونے کا یقین کیا۔ امام زعفرانی نے کہا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایا: زائر قبور کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر بآسانی قرآن شریف پڑھ سکے، اتنا قرآن پڑھے، اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے۔ امام شافعی علیہ رحمہ نے اس پر نص فرمایا اور دوسری جگہ اس قدر اور زیادہ کیا کہ اگر ایک ختم قرآن کامل کریں تو اور بہتر ہے اور علامہ شمس محمد بن علیٰ عسقلانی کنانی سمہودی شافعی استاذ علامہ عصر حافظ ابن حجر عسقلانی معروف بہ ابن القطان (متوفی ۸۱۳ھ) سے چند مسئلے دریافت کئے گئے تو آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا قرآن شریف پڑھ

کر بخشنے سے مردہ کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نا" القول بالإحسان العميم في انتفاع الميت بالقران العظيم" رکھا اور ہم اس سے تھوڑا سا حسب مناسب مقام اختصار کے ساتھ اس جگہ ذکر کرتے ہیں:" مردے کو قراءۃ قرآن شریف کا ثواب پہنچنے میں علما کا اختلاف ہے اکثر لوگ منع کی طرف گئے ہیں اور یہی مشہور مذہب امام شافعی کا ہے اور امام مالک و جمہور حنفیہ سے منقول ہے اور اکثر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ میت کو قرات کا ثواب پہونچتا ہے۔ امام احمد بن جنبل بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ پہلے یہ کہتے تھے کہ قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔*

* "ان کے اس قول سے رجوع کرنے کا واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے علی بن موسیٰ حداد کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن جنبل کے ساتھ ایک جنازہ میں گیا اور محمد بن قدامہ جوہری بھی ہماری ساتھ تھے۔ جب مردہ کو دفن کر چکے تو ایک نابینا آیا اور قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے لگا۔ امام احمد بن جنبل نے فرمایا کہ اے شخص! قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم لوگ قبرستان سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد بن جنبل سے کہا: اے ابو عبد اللہ! مبشر بن اسمٰعیل حلبی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: وہ ثقہ ہیں۔ پوچھا کہ آپ نے ان سے کچھ لکھا ہے؟ فرمایا ہاں! بولے کہ مجھے مبشر بن اسمٰعیل نے عبد الرحمن بن علاء بن لجلاح سے خبر دی کہ وہ اپنے والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے بعد ان کے سرہانے فاتحہ بقرہ و خاتمہ بقر پڑھی جائے اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عمر سے سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے۔ امام احمد بن جنبل نے فرمایا کہ جاؤ اس نابینا کو کہہ دو کہ قرآن شریف پڑھو (احیاء العلوم بر حاشیہ شرح مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۷۰) منہ غفرلہٗ"

ان سے منقول ہے کہ مردے کو سب کچھ پہونچتا ہے صدقہ ہو یا نماز، حج، روزہ، اعتکاف، قرأۃ قرآن، ذکر وغیرہ اور اسے سلف صالحین کی ایک جماعت سے نقل کیا اور قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے میت کا نفع اٹھانا، امام شافعی سے منقول ہے اور اسی کو ہمارے استاذ شہاب الدین عقیلی نے پسند فرمایا اور امام شافعی سے

متواتر طریقہ پر ثابت ہے کہ انہوں نے لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کی اور ان کی تعریف بیان کی اور وہاں ایک ختم قرآن شریف پڑھا اور فرمایا امید کرتا ہوں کہ یہ قرأت ہمیشہ جاری رہے۔ پس ویسا ہی واقع ہوا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ بعض علما نے قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے جواز پر شاخ خرما والی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے شاخ خرما کو دو نصف کیا اور ایک نصف ایک قبر پر اور دوسرا دوسرے پر نصب کیا اور فرمایا کہ جب تک یہ دونوں تر رہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں مردوں پر عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث سے قبر پر درخت کا نصب کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مستفاد ہوتا ہے کہ جب شاخ درخت کی وجہ سے تخفیف عذاب ہو تو قرآن مجید کے مفید ہونے کا کیا کہنا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علما نے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے مستحب جانا اور حدیث "جرید تین" سے استدلال کیا اور فرمایا کہ جب شاخ تر کی تسبیح سے مردہ کو فائدہ ہوتا ہے تو قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے سے نفع ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ انسان کا قرآن شریف پڑھنا لکڑی کی تسبیح کرنے سے رتبہ میں اعظم اور فائدہ میں نفع ہے"۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے کہ علامہ ابن قطان کا (فذهب الأكثرون الى المنع) فرمانا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ علمائے راسخین کی تحقیق وتصریح کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری علیہ رحمہ اللہ اباری مرقات شرح مشکوۃ جلد ۶ ص ۳۸۲ میں فرماتے ہیں:((اختلف في وصول ثواب القرآن للميت، فجمهور السلف والأئمة الثلاثة على الوصول، وخالف في ذلك إمامنا الشافعي مستدلاً بقوله تعالى:﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ [النجم: 39] وأجاب الأولون عن الآية بوجوه:

أحدها: أنها منسوخة بقوله تعالى:﴿والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بإيمان ألحقنا بهم ذريتهم﴾[الطور: 21] الآية. أدخل الأبناء الجنة بصلاح الآباء.

الثاني: أنها خاصة بقوم إبراهيم وموسى عليهما الصلاة والسلام فأما هذه الأمة لها ما سعت، وما سعي لها, قاله عكرمة.

الثالث: أن المراد بالإنسان هنا الكافر، فأما المؤمن فله ما سعى وسعي له, قاله الربيع بن أنس.

الرابع: ليس للإنسان إلا ما سعى من طريق العدل، فأما من باب الفضل فجائز أن يزيده الله ما شاء, قاله الحسين بن الفضل.

الخامس: أن اللام في الإنسان بمعنى على أي: ليس على الإنسان إلا ما سعى.

واستدلوا على الوصول بالقياس على الدعاء والصدقة والصوم والحج والعتق، فإنه لا فرق في نقل الثواب بين أن يكون عن حج أو صدقة، أو وقف أو دعاء، أو قراءة، وبالأحاديث المذكورة، وهي وإن كانت ضعيفة فمجموعها يدل على أن لذلك أصلاً، وأن المسلمين ما زالوا في كل مصر وعصر يجتمعون ويقرؤون لموتاهم من غير نكير، فكان ذلك إجماعاً، ذكر ذلك كله الحافظ شمس الدين بن عبد الواحد المقدسي الحنبلي في جزء ألفه في المسألة، ثم قال السيوطي: وأما القراءة على القبر فجاز بمشروعيتها أصحابنا وغيرهم)).

”امام سیوطی فرماتے ہیں: مردے کو قرآن شریف کا ثواب پہونچنے میں اختلاف ہے۔ جمہو سلف اور ائمہ ثلثہ کا یہ مذہب ہے کہ پہونچتا ہے اور ہمارے امام شافع نے اس مسئلہ میں خلاف کیا اور اس آیت کے ساتھ استدلال کیا کہ لیس للانسان الاما سعی اور پہلے مذہب والوں نے اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، ناسخ اس ﴿والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بإيمان ألحقنا بهم ذريتهم﴾ ہے تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کی صلاح کی وجہ سے اولاد جنت میں جائے گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حکم حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کی امت کا ہے لیکن امت محمدیہ کے لئے دونوں ہیں۔ جو اس نے

سعی کیا اور گیا۔ یہ قول عکرمہ کا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ انسان سے کافر مراد ہے لیکن مومن کے لئے جو وہ سعی کرے اور جو اس کے لئے سعی کیا جائے۔ یہ قول ربیع بن انس کا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے بطریق عدل وہی ہے جو اس نے کیا، البتہ بطریق فضل واحسان جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قدر زائد دے۔ یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ لیس للانسان میں لام بہ معنی انسان پر مواخذہ نہیں مگر اسی کا جو اس نے کیا،

اور پہلی جماعت اپنے مذہب پر (یعنی ثواب مردے کو پہنچتا ہے) یہ دلیلیں پیش کرتی ہے: اول دعا، صدقہ، روزہ، حج، آزاد کرنے پر قیاس ہے کہ ان سب چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے تو ان میں اور قرأت قرآن میں کوئی فرق نہیں کہ ان سب چیزوں کا ثواب پہنچے اور قرأت قرآن کا ثواب نہ پہونچے۔ دوم اس قیاس کے علاوہ ان احادیث سے دلیل لائے ہیں جو مذکور ہوئیں اور یہ حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں ان سب کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی اصل ہے اور بلاشبہ مسلمان ہر زمانہ اور ہر شہر میں برابر بلا انکار جمع ہوتے اور اپنے مردوں کے قبر پر قرآن پڑھا کرتے تھے تو یہ اس فعل پر اجماع ہوا۔ یہ سب کچھ حافظ شمس الدین بن عبد الواحد مقدسی حنبلی نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے جو خاص اسیٔ مسئلہ کے متعلق تصنیف کیا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قبر قرآن شریف پڑھنے کے مشروع ہونے پر ہمارے اصحاب اور ان کے غیر جزم ویقین کیا''۔

تو اتمام عبارات وتصریحات سے واضح ہوا کہ میت کے لئے قرآن شریف پڑھنے کا مشروع ہونا، نہ صرف ائمہ ثلثہ بلکہ چاروں اماموں کا مذہب ہے پھر علامہ ابن قطان کا (فذهب الأكثرون الى المنع) کہنا، کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے؟

نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں!

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث سے علمانے استنباط فرمایا وہ یہ ہے کہ نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں اور اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اس لئے قبرستان سے سبز گھانسوں کا اکھاڑنا، کاٹنا ممنوع و مکروہ ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے:((ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ فإن کان یابساً لا بأس بہ؛ لأنہ مادام رطباً یسبح فیؤنس المیت, وعلی ھذا قالوا: لا یستحب قلع الحشیش الرطب من غیر حاجۃ))۔ ”قبرستان سے تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جب تک گھاس تر رہتی ہے، خدائے تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے میت کو خوشگواری کا احساس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ بلاوجہ تر گھاس کو نہیں کاٹنا چاہئے“۔

فتاویٰ بزازیہ کتاب الکراہیہ میں ہے:((قطع الحشیش من المقابر یکرہ؛ لأنہ یسبح ویندفع بہ العذاب من المیت, وعلی ھذا لا یکرہ من مقابر الکفار قطع الحشیش وقطع الیابس, وبہ ورد الحدیث الصحیح))۔ ”قبرستان سے تر گھاس کاٹنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے اور اس کی وجہ سے مردہ سے عذاب دفع ہوتا ہے اور مردہ کو انس ہوتا ہے اور اس بنا پر کفار کے مرگھٹ سے اور خشک گھانس کا کاٹنا مکروہ نہ ہوگا، اس بارے میں صحیح حدیث آئی ہے“۔

فتاویٰ عالمگیری میں فتاوی قاضی خاں سے منقول ہے: ((ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ, فإن کان یابساً لا بأس بہ, کذا في فتاوی قاضي خان))۔ ”تر گھانس کا قبر سے کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہے تو حرج نہیں“۔

علامہ شامی ردالمختار اور ص۸۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ((یکرہ أیضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما في البحر والدرر وشرح

المنية, وعلله في الإمداد بأنه ما دام رطباً يسبح الله تعالى فيؤنس الميت وتنزل بهذه الرحمة. انتهى. ونحوه في الخانية)). ”تر گھانس اور سبزی کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے م نہ خشک کا جیسا کہ بحر الرائق اور درر اور شرح منیہ میں ہے اور اس کی علت امداد الفتاح میں یہ بیان کی گئی ہے کہ گھانس جب تک تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ اسی کے مثل فتاوی خانیہ میں ہے“۔

مزارات پر پھول چڑھانا جائز ہے:

تیسرا مسئلہ علمائے کرام نے اس حدیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ پھول وغیرہ قبروں پر رکھنا جائز ہے۔

ملا علیٰ قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۸۲ میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:((وقد أنكر الخطابي ما يفعله الناس على القبور من الأخواص ونحوها بهذا الحديث وقال: لا أصل له))۔”لوگ قبروں پر کھجور کی شاخ جو اس حدیث کی رو سے رکھ دیتے ہیں، خطابی نے اس سے انکار کر کے کہا: اس کی کوئی اصل نہیں ہے“

علامہ خطابی کا یہ قول ذکر کر کے اس طرح رد کرتے ہیں: ((وأما إنكار الخطابي وقوله: "لا أصل له" ففيه بحث واضح، إذ هذا الحديث يصلح أن يكون أصلاً له، ثم رأيت ابن حجر صرح به وقال قوله: "لا أصل له" ممنوع، بل هذا الحديث أصل أصيل له، ومن ثم أفتى بعض الأئمة من متأخري أصحابنا بأن ما اعتيد من وضع الريحان والجريد سنة لهذا الحديث))۔”علامہ خطابی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی اصل نہیں۔ اس پر کھلا ہوا اعتراض ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث اس کی اصل ہو سکتی ہے۔ پھر میں نے علامہ ابن حجر کو دیکھا

کہ انہوں نے اس کی تصریح فرمائی اور کہا کہ خطابی کا "لاأصل له" کہنا ممنوع ہے بلکہ یہ حدیث اس کی زبردست دلیل ہے۔ اسی وجہ سے بعض متاخرین ائمہ نے فتویٰ دیا کہ لوگوں میں جو مروج ہے کہ خوشبو پھول اور کھجور کی شاخ قبر پر رکھا کرتے ہیں، وہ اسی حدیث سے سنت ہے"۔

ارشاد الساری شرح بخاری کی عبارت اوپر گذری:((أوأن المعنی فیه أنه یسبح ما دام رطبًا، فیحصل التخفیف ببرکة التسبیح، وحینئذ فیطرد في کل ما فیه رطوبة من الریاحین والبقول وغیرها))۔"یا اس کی یہ وجہ ہے کہ شاخ جب تک تر رہے گی، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے مردہ پر تخفیف ہوگی پس اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، عام ہوگی، گھانس ہو یا پھول وغیرہ"۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:(وضع الورود والریاحین علی القبور حسن) گلاب کا پھول یا اور خوشبو پھول کا قبر پر رکھنا بہتر ہے"۔

تصحیح المسائل ص ۲۰ میں ہے: ((في کنز العباد وفتاوی الغرائب: وضع الورود والریاحین علی القبور حسن, کأنه ما دام رطباً یسبح ویکون للمیت بتسبیحه أنس))۔ "کنزالعباد اور فتاویٰ غرائب میں ہے کہ گلاب کا پھول اور دوسرے پھولوں کا قبور پر رکھنا حسن ہے۔ اس لئے کہ وہ جب تک تر و تازہ ہے، خدا کی تسبیح کرتا ہے اور اس سے مردے کا جی بہلتا ہے"۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے کہ علمائے کرام کی انہیں تصریحات کی بنا پر مسلمانوں میں رواج ہے کہ بزرگوں کے مزار پر پھول کی چادر چڑھانے یا پھولوں کا ہار ڈالنے یا بے گوندھا پھول قبروں پر رکھتے ہیں۔واللہ الموفق۔

اس جگہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف میں وضع جریدہ کی ان دونوں کا معذب ہونا ہے تو تخفیف عذاب کے لئے حضور اقدس ﷺ نے ایسا کیا اور اس زمانہ میں گناہگاروں کی قبر پر کوئی ہار پھول نہیں ڈالتا بلکہ برعکس بزرگوں کے مزار پر

یہ چڑھاوا ہوتا ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ تخفیف عذاب بوجہ تسبیح جریدہ ہے اور یہی وجہ مذہب مختار ہے۔ اور تسبیح کا اصل فائدہ نزول رحمت وانس میت ہے اور ہر شخص کو ہر حال میں اس کی ضرورت ہے۔ کوئی کسی مرتبہ پر پہونچ جائے مگر رحمت باری سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتا، ہر شخص کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔ گنہگار معذب کے لئے تخفیف یا دفع عذاب اور مرحوم مغفور کے لئے رفع مراتب وترقی درجات و مزید اجر وثواب ہے اور کوئی شخص اس کو مشائخ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتا۔

چودھواں طریقہ:

دفن کے بعد سرہانے فاتحہ اور پائنتی میں خاتمہ سورہ بقرہ پڑھنا:

:((عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه أنه أوصى إذا دفن أن يقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وخاتمتها وقال: سمعت ابن عمر يوصي بذلك))۔ "عبد الرحمٰن بن علاء اپنے والد سے راوی کہ انہوں نے وصیت کیا کہ ان کے دفن کے بعد ان کی قبر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں یعنی الم سے مفلحون تک اور خاتمہ بقرہ یعنی امن الرسول سے ختم سورہ تک پڑھا جائے اور کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے"۔

شرح احیاء العلوم ص۳۷۰ میں ہے:((وعنه قال: قال لي: يا بني إذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وفي سبيل الله وعلى ملة رسول الله, ثم شن علي التراب شنًا ثم اقرأ عند رأسي عند رأسي بفاتحه البقرة وخاتمتها, فإني سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول ذلك))۔ "عبد الرحمٰن بن علا کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا کہ میرے بیٹے جب مجھے قبر میں رکھو تو تم بسم الله وفي سبيل الله وعلى ملة رسول الله کہہ کر رکھنا پھر آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میرے سرہانے فاتحہ بقرہ خاتمہ بقرہ پڑھنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اس کا حکم فرماتے تھے"۔ (رواہ الطبرانی)

((وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ وَأَسْرِعُوا بِهِ إِلَى قَبْرِهِ وَلْيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهِ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ». رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَان. مشكاة شريف ص 149))۔ "حضرت عبد اللہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے ہیں: جب تم میں کوئی شخص مرے تو اسے مت روکو اور جلدی اس کو قبر تک لے جاؤ اور اس کے سرہانے فاتحہ بقرہ اور پائنتی خاتمہ سورہ بقرہ پڑھو"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ شریف جلد ۲ ص ۳۸۱ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ((عند رأسه فاتحة البقرة أي: إلى المفلحون. (وعند رجليه بخاتمة) وفي نسخة خاتمة. البقرة أي: من. آمن الرسول إلخ. قال الطيبي: لعل تخصيص فاتحتها لاشتمالها على مدح كتاب الله، وأنه هدى للمتقين، الموصوفين بالخلال الحميدة من الإيمان بالغيب، وإقامة الصلاة، وإيتاء الزكاة، وخاتمتها لاحتوائها على الإيمان بالله وملائكته وكتبه ورسله، وإظهار الاستكانة، وطلب الغفران والرحمة، والتولي إلى كنف الله تعالى وحمايته)).

"فاتحہ البقرہ سے مراد الم سے مفلحون تک اور خاتم سے مراد آمن الرسول سے آخر سورہ تک ہے۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کے تخصیص فاتحہ بقرہ کی وجہ یہ ہے کہ مشتمل ہے اللہ کی کتاب کی تعریف پر اور اس کا بیان ہے کہ وہ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے جو ان صفات حمیدہ سے موصوف ہیں یعنی غیب پر ایمان لانا، نماز پڑھا کرنا، زکوۃ دیتے رہنا اور خاتمہ بقرہ کی وجہ یہ کہ وہ مشتمل ہے ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسول پر اور اپنے عاجزی اور طلب مغفرت ورحمت اور اللہ کی جوار اور اس کی حمایت میں آنے کا ذکر ہے۔ اس لئے فاتحہ وخاتمہ بقرہ سے سب باتوں کی یاد دہانی ہو جائے گی۔

پندرھواں طریقہ:

قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے:

((وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لِابْنِهِ وَهُوَ فِي سِيَاقِ الْمَوْتِ: إِذَا أَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِي نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي فَشُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا يُنْحَرُ جَزُورٌ وَيُقَسَّمُ لَحْمُهَا حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ وَأَعْلَمَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي. [رَوَاهُ مُسلم ص 76 ومشكاة شريف ص 149])).

"امام مسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے صاحبزاہ حضرت عبد اللہ کو اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی رونے والی عورت نہ جائے اور نہ آگ ہو۔ جب مجھ کو دفن کر چکو تو آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالو پھر میرے پاس اتنے دیر تک ٹھہرو جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تا کہ تم لوگوں کے رہنے سے انس حاصل کروں اور جانوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۸۱ میں فرماتے ہیں:

((حتى أستأنس بكم أي: بدعائكم وأذكاركم وقراءتكم، واستغفاركم))۔ "تم لوگوں سے انس کا مطلب تمہاری دعا، تمہارے اذکار اور تمہاری قرأت، تمہارے استغفار سے انس حاصل کرنا ہے"۔ یعنی چاہئے کہ اتنے دیر تک خاموش بیٹھے نہ رہیں بلکہ دعا کریں اللہ و رسول کا تذکرہ کریں قرآن شریف کی تلاوت کریں، مغفرت کی دعا کریں۔

علامہ نووی ص۷۶ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:((منہا استحباب المکث عند القبر بعد الدفن لحظة نحو ما ذكر لما ذكر وفيه أن الميت يسمع حينئذ من حول القبر))۔

"اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دفن کے بعد اتنی دیر تک جس کا بیان حدیث شریف میں ہے: موانست میت کے لئے اور تصحیح خیال و دماغ کے لئے قبر پر ٹھہرنا مستحب ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مردہ گردوپیش کی باتیں سنتا ہے"۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۹ میں فرماتے ہیں: ((وقال أبو بكر الآجري: يستحب الوقوف بعد الدفن قليلاً والدعاء للميت مستقبلاً وجهه بالثبات, فيقال: اللهم هذا عبدك وأنت أعلم به منا ولا نعلم منه الأخير, أو قد أجلسته لتسأله, اللهم فثبته بالقول الثابت فالآخرة كما ثبته في الدنيا, اللهم ارحمه وألحقه بنبيه ولا تفتنا بعده ولا تحرمنا أجره))۔"ابو بکر اجری نے کہا کہ دفن کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور میت کے لئے اس کی طرف متوجہ ہو کر دین اسلام پر ثابت رہنے کی دعا کرنا مستحب ہے اور دعا میں یہ کہنا چاہئے کہ خداوندا یہ تیرا بندہ ہے اور تو اس کے حال کو مجھ سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ اس وقت تو نے اسے سوال کے لئے بیٹھایا ہے۔ خداوندا تو اسے آخرت میں قول پر ثابت رکھ جس طرح دنیا میں ثابت رکھا ہے۔ میرے مولا تو اس پر رحم کر اور اس کو اس کے نبی اکرم ﷺ سے ملا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کر اور نہ اس کے اجر سے محروم کر"۔

سولھواں طریقہ: زیارت قبور سے اہل قبر کو انس ہوتا ہے:

زیارت قبور کرنا خصوصاً اپنے اعزہ و اقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو انس حاصل ہوتا ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی شفاء السقام ص۶۵ و امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں، سید عالم ﷺ نے فرمایا: ((آنس مَا يكون الْمَيِّت فِي قَبره إِذا زَارَهُ من كَانَ يُحِبهُ فِي دَارِ الدُّنْيا))۔ "قبر میں مردہ کا زیادہ جی بہلنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب زیارت کو وہ شخص آئے جسے دنیا میں دوست رکھتا تھا"۔

ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے راوی حضور پر نور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: ((ما من رجل يزور قبر أخيه ويجلس عليه استأنس ورد عليه حتى يقوم))۔ "جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے اور اس کے پاس بیٹھے تو وہ مردہ اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ اس کا دل اس کے بیٹھنے سے بہلتا ہے اور جب تک وہ شخص اس کے پاس سے اٹھے، اس کا جواب دیتا ہے"۔

ابو الشیخ و دیلمی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں: ((ما من رجل يزور قبر أخيه فيسلم عليه ويقعد عنده لرد عليه السلام وأنس به حتى يقوم من عنده))۔ "جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کو جائے اور اسے سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس مردہ کا اس سے جی بہلتا ہے، جب تک کہ وہ شخص اس کے پاس سے اٹھ نہ آئے"۔

"بیہقی ابو الدرداء ہاشم بن محمد سے راوی ہیں: ((قال: سَمِعْتُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُ: " إِنَّهُ كَانَ يَزُورُ قَبْرَ أَبِيهِ، فَطَالَ عَلَيْهِ ذَلِكَ، فَقُلْتُ: أَزُورُ التُّرَابَ؟ فَأُرِيتُ فِي مَنَامِي، فَقَالَ: يَا بُنَيَّ مَالَكَ لَا تَفْعَلُ بِي كَمَا كُنْتَ تَفْعَلُهُ؟

فَقُلْتُ: أَزُورُ التُّرَابَ؟ فَقَالَ: لَا تَعْجَلَ يَا بُنَيَّ، فَوَاللهِ لَقَدْ كُنْتَ تُشْرِفُ عَلَيَّ، فَيُبَشِّرَنِي بِكَ جِيرَانِي، وَلَقَدْ كُنْتَ تَنْصَرِفُ فَمَا أَزَالُ أَرَاكَ حَتَّى تَدْخُلَ الْكُوفَةَ)).[شرح احياء العلوم، ص٣٦٧] "ہاشم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک اہل علم کو کہتے سنا کہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کو برابر جایا کرتے تھے۔ جب زمانہ دراز ہوا تو انہوں نے کہا کہ کیا مٹی کی زیارت کو جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے! تم اب زیارت کو کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آیا کرتے تھے؟ میں نے کہا کہ کیا میں مٹی کی زیارت کے لئے آؤں؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں بیٹا ایسا نہ کہو۔ خدا کی قسم! تم جس وقت آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، اس وقت میرے پڑوسی تمہاری آنے کی مجھے بشارت وخوشخبری دیتے تھے اور جب تم واپس ہوتے تھے میں تم کو برابر دیکھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ تم کوفہ شہر میں داخل ہو جاتے تھے"۔

شرح احیاء العلوم ص٣٦٧ میں ہے: ((وروي أيضاً عن الفضل بن الموفق ابن خال سفيان بن عينة قال: لما مات أبي جزعت جزعاً شديداً, فكنت آتي قبره في كل يوم ثم أني قصرت عن ذلك, فرأيته في النوم فقال: يا بني ما أبطأ بك عني؟ قلت: وإنك لتعلم بمجيئي. قال: ما جئت مرة إلا علمتها وقد كنت تأتيني فأسر بك ويسر من حولي بدعائك, قال: فكنت آتيه بعد كثيراً)).

"فضل بن موفق سفیان بن عینیہ کے ماموں زاد بھائی کہتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا، میں سخت غمگین اور پریشان ہوا۔ بہت زیادہ جزع فزع کیا تو میں ہر روز ان کے قبر کی زیارت کو جاتا تھا پھر میں نے اس میں کچھ کوتاہی کی تو ان کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے میرے بیٹے! کیوں تجھے مجھ سے دیر ہونے لگی؟ میں نے کہا کہ کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں آئے تم کبھی مگر میں نے جانا یعنی جب تم آئے مجھے ضرور اس کا علم ہوا اور جب تم آتے

تھے تو میں تمہاری دعا کی وجہ سے میرے گرو پیش کے لوگ مسرور ہوتے تھے۔
فضل بن موفق نے کہا کہ یہ سن کر میں بہت زیادہ جانے لگا"۔

اسی شرح احیاء العلوم میں دوسری جگہ مذکور ہے: ((وقال الحافظ أبو طاهر السلفي: سمعت أبا البركات عبد الواحد بن عبد الرحمن بن غلاب السوسي بالإسكندرية يقول: سمعت والدتي تقول: رأيت أمي في المنام بعد موتها وهي تقول: يا بنتي إذا جئتني زائرة فاقعدي عند قبري ساعة أتملى من النظر إليك ثم ترحمي علي)).الخ۔ "حافظ ابو طاہر سلفی کہتے ہیں کہ میں نے ابو البرکات عبد الواحد سوسی سے اسکندریہ میں سنا، وہ کہتے تھے: میں نے اپنی والدہ سے سنا کہ میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا وہ کہتی تھیں کہ میری بیٹی! جب تو میری زیارت کے لئے میرے پاس آیا کر تو ایک گھنٹہ میری قبر کے پاس بیٹھی رہ تا کہ میں جی بھر کر تجھ کو دیکھوں پھر میرے لئے رحمت کی دعا کر"۔واللہ الموفق۔

سترھواں طریقہ: اخیر شب قبرستان جاکر مردوں کے لئے دعا کرنا:

((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ إِلَى الْبَقِيعِ، فَيَقُولُ: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ، وَأَتَاكُمْ مَا تُوعَدُونَ غَدًا، مُؤَجَّلُونَ، وَإِنَّا، إِنْ شَاءَ اللهُ، بِكُمْ لَاحِقُونَ، اللهُمَّ، اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ»)).[رواه مسلم ص 313] "مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے راوی کہ جب رسول اللہ ﷺ میری باری میں تشریف لاتے، اخیر شب مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے تم پر سلام ہو اے گھر مسلمانوں کے اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کل تمہارے پاس وہ چیز آئے گی اور انشاء اللہ ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ خداوندا بقیع الغرقد والوں کے گناہ کو توبخشدے"۔

علامہ نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:(فيه فضيلة الدعاء آخر الليل وفضيلة زيارة قبور البقيع). "اس حدیث سے اخیر شب میں دعا کرنے کی خوبی بقیع والوں کی قبور کی زیارت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے"۔

((وعن عَائِشَة قَالَتْ: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِّي وَعَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: قَالَتْ: لَمَّا كَانَتْ لَيْلَتِي الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا عِنْدِي، انْقَلَبَ فَوَضَعَ رِدَاءَهُ، وَخَلَعَ نَعْلَيْهِ، فَوَضَعَهُمَا عِنْدَ رِجْلَيْهِ، وَبَسَطَ طَرَفَ إِزَارِهِ عَلَى فِرَاشِهِ، فَاضْطَجَعَ، فَلَمْ يَلْبَثْ إِلَّا رَيْثَمَا ظَنَّ أَنْ قَدْ رَقَدْتُ، فَأَخَذَ رِدَاءَهُ رُوَيْدًا، وَانْتَعَلَ رُوَيْدًا، وَفَتَحَ الْبَابَ فَخَرَجَ، ثُمَّ أَجَافَهُ رُوَيْدًا، فَجَعَلْتُ دِرْعِي فِي رَأْسِي، وَاخْتَمَرْتُ، وَتَقَنَّعْتُ إِزَارِي، ثُمَّ انْطَلَقْتُ عَلَى إِثْرِهِ، حَتَّى جَاءَ الْبَقِيعَ فَقَامَ، فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ انْحَرَفَ فَانْحَرَفْتُ، فَأَسْرَعَ فَأَسْرَعْتُ، فَهَرْوَلَ فَهَرْوَلْتُ، فَأَحْضَرَ فَأَحْضَرْتُ، فَسَبَقْتُهُ فَدَخَلْتُ، فَلَيْسَ إِلَّا أَنِ اضْطَجَعْتُ فَدَخَلَ، فَقَالَ: «مَا لَكِ؟ يَا عَائِشُ، حَشْيَا رَابِيَةً» قَالَتْ: قُلْتُ: لَا شَيْءَ، قَالَ: «لَتُخْبِرِينِي أَوْ لَيُخْبِرَنِّي اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ» قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، فَأَخْبَرْتُهُ، قَالَ: «فَأَنْتِ السَّوَادُ الَّذِي رَأَيْتُ أَمَامِي؟» قُلْتُ: نَعَمْ، فَلَهَدَنِي فِي صَدْرِي لَهْدَةً أَوْجَعَتْنِي، ثُمَّ قَالَ: «أَظَنَنْتِ أَنْ يَحِيفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ؟» قَالَتْ: مَهْمَا يَكْتُمِ النَّاسُ يَعْلَمْهُ اللهُ، نَعَمْ، قَالَ: «فَإِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي حِينَ رَأَيْتِ، فَنَادَانِي، فَأَخْفَاهُ مِنْكِ، فَأَجَبْتُهُ، فَأَخْفَيْتُهُ مِنْكِ، وَلَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ عَلَيْكِ وَقَدْ وَضَعْتِ ثِيَابَكِ، وَظَنَنْتُ أَنْ قَدْ رَقَدْتِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَكِ، وَخَشِيتُ أَنْ تَسْتَوْحِشِي، فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ»، قَالَتْ: قُلْتُ: كَيْفَ أَقُولُ لَهُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ «قُولِي: السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ». رواه مسلم، جلد أول ص 313)).

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی، انہوں نے کہا کہ کیا میں خبر نہ دوں اس بات کی جو مجھ میں اور رسول اللہ ﷺ میں ہوئی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ یعنی ہمیں ضرور خبر دیں۔ کہا کہ جب وہ رات ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ میرے یہاں تشریف فرماتھے تو آپ مردانہ سے یہاں آئے تو اپنی چادر رکھی اور نعلین اتاری اور ان دونوں کو پائنتی میں رکھا ار اپنی تہبند کا ایک حصہ اپنی بچھاون پر بچھایا اور لیٹ گئے پس نہیں ٹھہرے مگر فقط اتنی دیر کہ حضور نے خیال کیا میں سو رہی۔ پس اپنی چادر آہستہ آہستہ لی اور جوتا پہنا اور آہستہ دروازہ کھولا پھر باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا پس میں نے اپنی چادر سر پر رکھی اور اوڑھنی اوڑھی، تہبند باندھا اور حضور کے پیچھے پیچھے ہولی، یہاں تک کہ حضور بقیع تشریف لائے پس دیر تک وہا ٹھہرے پھر دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دعا کے لئے اٹھایا پھر حضور راہ سے الگ ہوئے، تو میں بھی راہ سے الگ ہوئی، حضور تیز چلے تو میں بھی تیز چلی، حضور دوڑے تو میں بھی دوڑی، پس مکان تشریف لائے تو میں بھی مکان آئی، پس ذرا پہلے پہونچی اور مکان میں داخل ہوئی تو فقط اتنی ہی دیر ہوئی کہ میں لیٹی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میری سانس پھول رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ: کیا حال ہے؟ تمہاری سانس چڑھ رہی ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے۔ جضرت عائشہ نے کہا کہ میں عرض کیا کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا یا تو تم مجھے خبر دو ورنہ خداوندا علیم و خبر مجھے دے گا۔ حضرت عائشہ نے کہا پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مرے ماں باپ حضور پر قربان کہہ کر میں نے سارا حال بیان کر دیا۔ حضور نے فرمایا تم میرے آگے آگے آرہی تھیں؟ میں نے کہا ہاں! پس میرے سینہ میں حضور نے

مارا جس سے مجھے تکلیف ہوئی پھر ارشاد ہوا کیا تمہارا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا(جب تہ کی بات رسول اللہ ﷺ نے بتادی) تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہانے اقرار کیا اور کہا کہ انسان جس چیز کو چھپائے خدا اس کو جانتا ہے۔ ہاں میرا ایسا ہی خیال ہوا تھا کہ حضور اور کسی بی بی کے یہاں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبرائیل آئے جس وقت تم نے مجھے دیکھا تو جبرائیل نے مجھے آواز دی اور اس کو تم سے پوشیدہ کیا تو میں نے جواب دیا اور تم سے چھپایا اور جب تم سونے کے لئے لیٹی ہو، اس وقت اندر نہیں آئے، میرا خیال ہوا کہ تم سو گئی، اس لئے میں نے تمہیں جگانا ناپسند کیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تنہائی کی وجہ سے تم کو پریشان ہوگی۔ جبرائیل نے کہا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ جنت البقیع تشریف لے جائیں اور ان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر ہم زیارت کے لئے جائیں تو کیا کہیں؟ ارشاد ہوا کہ تم اس طرح کہو:(السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ).

علامہ نووی شرح مسلم میں اس کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں: (فيه دليل لمن جوز للنساء زيارة القبور وفيها خلاف للعلماء). جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت جائز جانتے ہیں، یہ حدیث ان کو دلیل ہے اور اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے“۔

اٹھارھواں طریقہ

جمعہ، جمعرات کے دن والدین اور بزرگوں کے قبر کی زیارت کی تخصیص:

ابن ابی الدنیا اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن واسع سے راوی ہیں کہ وہ جمعہ کے دن زیارت قبور کو جایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ اگر دو شنبہ تک ملتوی

کرتے تو اچھا ہوتا آپ نے کہا: ((بَلَغَنِي أَنَّ الْمَوْتَى يَعْلَمُونَ بِزُوَّارِهِمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمًا قَبْلَهُ وَيَوْمًا بَعْدَهُ)). "مجھے حدیث پہونچی ہے کہ مردے اپنے زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں جمعہ کے دن اور ایک دن قبل اور ایک دن بعد"۔

شرح احیاء العلوم ۳۳۶ میں ہیں ہے: "علمائے کرام فرماتے ہیں یوں جاننا تو ہر روز اور وقت ہوتا ہے لیکن جمعہ کی بزرگی سے ان تین دنوں میں علم وسیع وکثیر ہوتا ہے"۔

طبرانی معجم اوسط وصغیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی الدنیا کتاب القبور اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن النعمان سے مرسلا روای۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ((مَنْ زَارَ قَبْرَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهُ وَكُتِبَ بَرًّا)). "جو شخص اپنے ماں باپ یادو میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت جمعہ کے دن کیا کرے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور خدا کے یہاں وہ نیکوکار لکھا جائے گا"۔

((قال رجل مِنْ آلِ عَاصِمٍ الْجَحْدَرِيُّ قَالَ: رَأَيْتُ عَاصِماً فِي مَنَامِي بَعْدَ مَوْتِهِ بِسَنَتَيْنِ فَقُلْتُ: أَلَيْسَ قَدِمْتَ؟ قَالَ بَلَى قُلْتُ: فَأَيْنَ أَنْتَ؟ قَالَ إِنَّا وَاللهِ فِي رَوْضَةٍ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَنَا وَنَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِي نَجْتَمِعُ كُلَّ لَيْلَةِ جُمُعَةٍ وَصَبِيحَتِهَا إِلَى بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ فَنَتَلَاقَى أَخْبَارَكُمْ قَالَ قُلْتُ: أَجْسَامُكُمْ أَمْ أَرْوَاحُكُمْ؟ فَقَالَ هَيْهَاتَ بَلِيَتِ الْأَجْسَامُ وَإِنَّمَا تَلَاقِي الْأَرْوَاحِ. قَالَ فَقُلْتُ: فَهَلْ تَعْلَمُونَ بِزِيَارَتِنَا إِيَّاكُمْ؟ قَالَ نَعْلَمُ بِهَا عَشِيَّةَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ كُلَّهُ وَيَوْمَ السَّبْتِ إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ. قَالَ قُلْتُ: وَكَيْفَ ذَلِكَ دُونَ الْأَيَّامِ كُلِّهَا؟ قَالَ لِفَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَعِظَمِهِ "رواه ابن أبي الدنيا في كتاب القبور والبيهقي شعب الايمان)).

"آل عاصم جحدری سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے عاصم کو ان کے انتقال سے دو برس یا کئی سال بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا آپ کا انتقال نہیں

ہوا؟ کہا کیوں نہیں۔ پوچھا کہ آپ کہاں ہیں؟ کہا بخدا ہم جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری میں ہیں۔ میں اور میرے چند احباب ہم سب لوگ ہر شب جمعہ و صبح جمعہ کو ابو بکر بن عبد اللہ مزنی کے پاس جمع ہوتے ہیں تو تمہاری خبریں پاتے ہیں۔ اس خواب دیکھنے والے نے کہاں کہ ہم لوگوں کی زیارت کرنے کو آپ جانتے ہیں؟ کہا ہاں! شب جمعہ اور تمام دن جمعہ اور سنیچر کو طلوع آفتاب تک۔ میں نے کہا اور دونوں سے ان دنوں کی خصوصیت کیا ہے؟ بولے: جمعہ کی فضلیت اور بزرگی کی وجہ ہے"۔

((وقَالَ الضَّحَّاكِ: مِنْ زَارَ قَبْرًا يَوْمَ السَّبْتِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ عَلِمَ الْمَيِّتُ بِزِيَارَتِهِ. قِيلَ لَهُ: وَكَيْفَ ذَاكَ؟ قَالَ: لِمَكَانِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ. رواه ابن أبي الدنيا في كتاب القبور والبيهقي شعب الايمان)). "ضحاک نے کہا جو شخص شنبہ کے دن قبل طلوع آفتاب کسی قبر کی زیارت کو جائے تو وہ مردہ اس کو جان لیتا ہے۔ کسی نے کہا یہ کیوں کر؟ کہا روز جمعہ کی برکت سے"۔

((عن عُثْمَان بْن سَوْدَةَ، وَكَانَتْ أُمُّهُ مِنَ الْعَابِدَاتِ، وكَانَ يُقَالُ لها: رَاهِبَةٌ قَالَ: "لما مَاتَتْ كُنْتُ آتِيهَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ فَأَدْعُو لَهَا، وَأَسْتَغْفِرُ لَهَا وَلِأَهْلِ الْقُبُورِ، فَرَأَيْتُهَا لَيْلَةً فِي مَنَامِي، فَقُلْتُ: يَا أُمَّاهُ، كَيْفَ أَنْتِ؟ فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ، إِنَّ الْمَوْتَ لَشَدِيدٌ كَرْبُهُ، وَأَنَا بِحَمْدِ اللهِ فِي بَرْزَخٍ مَحْمُودٍ، أَفْتَرِشُ فِيهِ الرَّيْحَانَ، وَأَتَوَسَّدُ فِيهِ السُّنْدُسَ وَالْإِسْتَبْرَقَ، فَقُلْتُ: أَلَكِ حَاجَةٌ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، فقُلْتُ: مَا هِيَ؟ قَالَتْ: " لَا تَدَعْ مَا كُنْتَ تَصْنَعُ مِنْ زِيَارَتِنَا وَالدُّعَاءَ لَنَا، فَإِنِّي آنَسُ بِمَجِيئِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذَا أَقْبَلْتَ مِنْ أَهْلِكَ زَائِرٌ، قَالَتْ: فَأُبَشَّرُ، وَيُبَشَّرُ بِذَلِكَ مَنْ حَوْلِي مِنَ الْأَمْوَاتِ "رواه ابن أبي الدنيا والبيهقي. شرح إحياء العلوم ص 367 جلد 10)).

"عثمان بن سودہ سے روایت ہے اور ان کی ماں عابدہ تھیں جن کو لوگ راہبہ کہا کرتے تھے۔ عثمان نے کہا کہ جب ان کا انتقال ہوا تو میں ہر جمعہ کو ان کی زیارت کے

لئے جاتا تھا اور ان کے اور قبرستان والوں کے لئے دعا و استغفار کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو خواب میں دیکھا۔ کہا اے ماں! آپ کس طرح ہیں؟ کہا اے میرے بیٹے! موت کی تکلیف سخت ہے اور خدا کے فضل سے میں پسندیدہ مقام میں ہوں یہاں ریحان کا بچھاون ہے، سندس و استبرق کے گاؤ تکیئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو کسی بات کی خواہش ہے؟ بولیں ہاں! پوچھا کیا؟ کہا کہ تم میری زیارت و دعا کو آیا کرتے ہو، اس کو کبھی نہ چھوڑنا۔ تمہارے جمعہ کے دن آنے سے مجھے انس ہوتا ہے، دل بہلتا ہے۔ جب تم اپنے گھر میری زیارت کو آتے ہو تو مجھے خوشی ہوتی ہے اور میرے گردو پیش جو مردے ہیں، سب مجھ کو اس کی خوشخبری سناتے ہیں"۔

انیسواں طریقہ: سال بہ سال ہر سرے سال پر زیارت کو جانا:

((عن عباد بن أبي صالح أن رسول الله ﷺ كان يأتي قبور الشهداء بأحد على رأس كل حول فيقول: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ، قال: وجاءها أبو بكر، ثم عمر، ثم عثمان، رضي الله تعالى عنهم، فلما قدم معاوية بن أبي سفيان حاجاً جاءهم، قال: وكان النبي ﷺ إذا واجه الشعب قال: سلام عليكم بما صبرتم فنعم أجر العاملين. رواه ابن أبي شيبة. وفاء الوفا, جلد 2 ص 133)). "ابن ابی شیبہ نے عباد بن ابی صالح سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور کی زیارت کو تشریف لایا کرتے اور اسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ فرماتے۔ راوی نے کہا حضور کے بعد حضرت ابو صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا کرتے تھے۔ جب حضرت امیر معایہ رضی اللہ عنہ حج کے لئے آئے اور مدینہ طیبہ پہونچے تو ان کے پاس آئے۔ راوی نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ جب احد کی گھاٹی کے سامنے آتے تو سلام عليكم بما صبرتم فنعم أجر العاملين. فرماتے"۔

((وعن أنس رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي أحداً كل عام فإذا تفوه الشعب سلم على قُبُور الشُّهَدَاءِ فقال سَلامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عقبى الدارر. واه ابن المنذر وابن مردويه)).'' ابن منذر و ابن مردویہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس ﷺ ہر سال کوہ احد تشریف لایا کرتے۔ جب گھاٹیاں سامنے آتیں تو شہدائے اُحد کی قبروں کو سلام کرتے اور سَلامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عقبى الدار فرمایا کرتے۔

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ: «سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ، فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ» وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ "(رواه ابن جرير)).''ابن جریر محمد بن ابراہیم سے راوی۔ رسول اللہ ﷺ ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لایا کرتے اور ان کو سلام کرتے اور اسی طرح حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کرتے''۔

ان احادیث میں اگرچہ خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہ کا ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جانا ثابت ہے مگر یہ طریقہ چاروں خلفا کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۵ ص۲۹۵ میں فرماتے ہیں:((وَعَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ رَأْسَ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ». وَالْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ هَكَذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ)).''حضور اقدس ﷺ ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لاتے اور سلام فرماتے:السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّار اور خلفائے اربعہ بھی اس طرح کیا کرتے تھے''۔

((وَرَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأُحُدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ»)). ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ نبی ﷺ ہر سرے سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام فرمایا کرتے"۔(ردالمختار جلد اول ص ۸۴۳)

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ ان حدیثوں میں حضور اقدس ﷺ و خلفائے راشدین کا دستور کہ ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جایا کرتے اور ان پر سلام کرتے، مسلمانوں کے اس فعل حسن و مندوب کی دلیل اور اصل اصیل ہے کہ ہر سال بزرگان دین کا عرس کرتے اور لوگ سال بسال بزرگوں کے مزاروں پر حاضر ہوا کرتے، سلام، دعا استغفار و تلاوت قرآن شریف، صدقہ و تقسیم شیرینی و اطعام طعام کا ثواب ان لوگوں کو ایصال کرتے ہیں۔ چناچہ مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی کے اس کے اعتراض:

"وعرس بزرگان خود برخود مثل فرض دانستہ سال بہ سال بر مقبرہ اجتماع کردہ، طعام وشیرینی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر راو ثنا یعبدمی کند"۔ "اپنے بزرگوں کے عرس میں خود پر فرض سمجھ کر ہر سال مزار پر جمع ہو کر وہاں کھانا اور شیرینی تقسیم کرکے قبروں کو بتوں کی طرح پوجتے ہیں"۔ کے جواب میں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں: "قولہ عرس بزرگان خود رالخ این طعن بنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ۔ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نمی داند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں باہداء ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرانی امر مستحسن وخوب ست با جماع علماء وتعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دارالعمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح ونجات

ست و خلف را لازم ست کہ سلف خود را بایں نوع بر و احسان نماید چناچہ دراحادیث مذکور ست کہ:(ولد صالح یدعو له).“۔

”اپنے بزرگوں کے عرس کوالخ یہ اعتراض، اعتراض کئے ہوئے مسئلہ کے حالات نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اسلئے کہ بجز شرعی فرائض مقررہ کے کوئی شخص عرس کو فرض نہیں جانتا ہے۔ ہاں صلحا کے مزارات سے صرف شرکت اور زیارت اور ان کی امداد(ان کو ثواب تلاوت قرآن دعائے خیر کھانا تقسیم کرکے اور شیرنی تقسیم کرکے)حاصل کرنا مستحسن اور امر خیر ہے جیسا کہ علما کے اجماع سے ثابت ہے۔ البتہ عرس کا دن مقرر کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دن محض ان کے دنیا سے دار آخرت کے جانب منتقل ہونے کا دن یادر کھا جائے ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو باعث فلاح و نجات ہے اور خلف پر واجب ہے کہ اپنے سلف کے لئے اس طرح پر نیکی کرے جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے: نیک اولاد وہ ہے جو اپنے سلف کے لئے دعا کرے“۔

اس کے بعد امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر ”درمنثور“ سے ابن منذر اور ابن مردویہ کی حدیث براویت انس رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن جریر برویت محمد بن ابرہیم جو اوپر مذکور ہوئیں سند میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح ص ۴۲۔

بیسواں طریقہ:

ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا کہ اس سے امید مغفرت ہے:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۱۰۲ میں فرماتے ہیں:

((قال الشيخ محيي الدين ابن العربي أنه بلغني «عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَنَّه قال: مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ سَبْعِينَ أَلْفًا غُفِرَ لَه، وَمَنْ قِيلَ لَهُ غُفِرَ لَهُ أَيْضًا». فَكُنْتُ ذَكَرْتُ التَّهْلِيلَةَ بِالْعَدَدِ الْمَرْوِيِّ مِنْ غَيْرِ أَنْ أَنْوِيَ لِأَحَدٍ بِالْخُصُوصِ، بَلْ عَلَى الْوَجْهِ الْإِجْمَالِيِّ، فَحَضَرْتُ طَعَامًا مَعَ بَعْضِ الْأَصْحَابِ، وَفِيهِمْ شَابٌّ مَشْهُورٌ بِالْكَشْفِ، فَإِذَا هُوَ فِي أَثْنَاءِ الْأَكْلِ أَظْهَرَ الْبُكَاءَ فَسَأَلْتُهُ عَنِ السَّبَبِ فَقَالَ: أَرَى أُمِّي فِي الْعَذَابِ فَوَهَبْتُ فِي بَاطِنِي ثَوَابَ التَّهْلِيلَةِ الْمَذْكُورَةِ لَهَا فَضَحِكَ وَقَالَ: إِنِّي أَرَاهَا الْآنَ فِي حُسْنِ الْمَآبِ، قَالَ الشَّيْخُ: فَعَرَفْتُ صِحَّةَ الْحَدِيثِ بِصِحَّةِ كَشْفِهِ، وَصِحَّةَ كَشْفِهِ بِصِحَّةِ الْحَدِيثِ)).

"سیدی شیخ اکبر ابن محی الدین عربی نے فرمایا: مجھے حضور اقدس ﷺ سے حدیث پہونچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے اتنے مرتبہ کہا جائے، اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اور اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی۔ اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا۔ ان میں ایک نوجوان کے کشف کا شہرہ تھا۔ کھانا کھاتے وہ رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ فوراً جوان ہنسنے لگا اور کہا کہ اب میں اپنی میں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین ابن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں: میں نے حدیث کی صحت کو اس جوان کے کشف کی صحت سے پہنچانا اور اس کے کشف کی صحت سے حدیث کی صحت سے جانی"۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۲ ص ۷ ۲ مکتوبات چہارم دہم میں فرماتے ہیں۔ بیاراں و دوستاں فرمایند کہ ہفتا د ہفتا ہزار بار کلمہ لا الہ الا اللہ بر وحانیت اخوی محمد صادق و روحانیت مرحومہ ہمشیرہ اوام کلثوم بخوانند ثواب ہفتاد ہزار بار بروحانیت یکے بخشد و ہفتاد ہزار بار دیگر رابرو حانیت دیگرے۔ از دوستاں دعا فاتحہ مسئول ست (الدرا المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم)"۔

”ساتھیوں اور احباب سے فرمائیں کہ ستر ستر ہزار بار لاالہ پڑھ کر خواجہ محمد صادق کے دونوں بھائیوں کو بخشیں اور اپنی بہن ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار پھر پڑھ کر دوسرے کی روح کو بخشیں۔ کیونکہ دوستوں ہی سے دعا اور فاتحہ کا سوال ہے“۔

ملفوظات حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے۔ ذکر اموات یعنی مردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: حدیث صحاح ہے:((من قال لا إله إلا الله مئة ألف مرة وجعل الثواب للميت غفر الله لذلك للميت وإن كان موجباً للعقوبة)). ”جو شخص لاالہ الااللہ ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کو بخش دے اگرچہ وہ عقوبت کا مستحق ہو“۔

اسی میں ہے: ”فرمایا کہ میت والوں پر واجب ہے کہ ایک لاکھ بار کلمہ پڑھیں اور اس طرف یہ رسم ہے کہ جو کوئی مرتا ہے اس کے واسطے پڑھتے ہیں“۔

اسی میں ص ۱۶۸ پر ہے: ”بعد اس کے فرمایا کہ دعا گو نے واسطے برادرم حاجی دین محمد کے ایک لاکھ بار لاالہ الااللہ کہا۔ میرا ایک یار ہے او چھ سے برابر آتا ہے اور مجھ سے تعلق و بیعت رکھتا ہے اور اور اد شیخ کبیر نگاہ میں رکھتا ہے۔ اس نے دعا گو سے کہا کہ میں نے محمد حاجی کی قبر کو دیکھا کہ اس کو روشن و فراخ کر دیا“۔

اسی کے جلد ۲ ص ۲۶۳ پر ایک عمل حدیث صحاح کا ہے: ((قوله عليه الصلاة والسلام: من قال لا إله إلا الله مئة ألف مرة وجعل الثواب للميت غفر الله لذلك للميت وإن كان موجباً للعقوبة)). ”جو کوئی لاالہ الااللہ کو سو ہزار یعنی ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب میت کو بخشے تو وہ میت بخشا جائے اگرچہ لائق عقوبت ہی کیوں نہ ہو“۔

فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سو تسبیح ہزار، ہزار دانہ کی بنا کر صندوق میں رکھی ہیں۔ سو آدمیوں کو دیتے ہیں وہ لوگ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب بخش

دیتے ہیں۔ ذرا دیر میں تمام ہو جاتا ہے۔ دعا گو نے بھی ہزار دانے کی تسبیح جمع کی ہے۔ اس جگہ جو میں بعض زیارتوں میں گیا تو اسی پر عمل کیا۔ مجرب ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ بھی معمول ہو جائے گا۔

شیخ مدرسہ دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کون واقف نہیں۔ اپنی مشہور کتاب تحذیر الناس ص ۳۸ میں لکھتے ہیں: ''حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار کبھی کلمہ پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپنے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اب اپنی ولدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اور علما کی تحریر، مسلمانوں کے اس عمل خیر کی اصل ہے کہ میت کے لئے تیسرے یا چوتھے دن جمع ہو کر قرآن شریف کے علاوہ لا الہ الا اللہ ستر ہزار یا ایک لاکھ بار پڑھتے اور میت کو اس کا ثواب بخشتے ہیں تا کہ من قیل لہ کے تحت اس کی مغفرت ہو اور ازانجا کہ ستر ہزار مرتبہ پڑھنے کے لئے بہت سی تسبیحوں کی ضرورت ہو گی جس کا ہر جگہ ملنا سخت دشوار ہے۔ اس لئے آسانی کے خیال سے چنا کا شمار دانہ بناتے ہیں جو بعد کو یا تو پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا فقرا پر تصدق کر دیتے ہیں کہ ساتھ ساتھ صدقہ کا بھی میت کو ثواب پہونچے۔

اکیسواں طریقہ: قرآن شریف پڑھ کر بخشنا:

اب رہا یہ کہ اس کے لئے کسی سورہ کا پڑھنا خاص طور پر بھی آیا ہے یا جو سورہ یا آیت پڑھ کر اس کا ثواب بخشیں کافی ہے؟ تو کافی ہونے کے لئے تو سب کافی ہے۔

((عَنْ ابن مسعود رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرَةِ أَمْثَالِهَا, لَا أَقُولُ:﴿الم﴾ [البقرة: 1] حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلْفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ"رواه الترمذي والحاكم والبخاري في التاريخ كما هو مصرح في الرواية الأخرى: اقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّكُمْ تُؤْجَرُونَ عَلَيْهِ, أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ: ألم حَرْفٌ، وَلَكِنِ أَلِفُ حَرْفٌ عشر، وَلامُ حَرْفٌ عشر، وَمِيمُ حَرْفٌ عشر فتلك ثلاثون. رواه أبو جعفر النحاس في الوقف والابتداء, والسنجري في الإبانة والخطيب في التاريخ عن ابن مسعود رضي الله عنه)).

"امام ترمذی اور حاکم و بخاری تاریخ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے راوی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھے، اس کو ایک حسنہ ملے گا اور ایک حسنہ کا ثواب دس گنا ہے۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے تو جو شخص فقط الم پڑھے گا اس کو تیس نیکیاں ملیں گی۔ ابو جعفر نحاس کتاب "الوقف والابتداء" اور سنجری کتاب "الابانہ" اور خطیب بغدادی تاریخ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم قرآن شریف پڑھا کرو کہ تم کو اس کا اجر دیا جائے گا۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، لام

ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے۔ میم ایک حرف ہے اور اس ثواب دس ہے تو یہ تیس ثواب ہوئے"۔(کنز العمال جلد ا ص ۱۳۰)

سب سے بہتر تو یہ ہے کہ قبر پر جا کر ایک ختم کامل کرے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کو گئے تو ان کی تعریف کی اور ایک ختم قرآن شریف کیا اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کار خیر ہمیشہ جاری رہے اور ان کے فرمانے کے مطابق ہوا:((كما مر عن شرح الإحياء نقلاً عن القول بالإحسان العميم في انتفاع الميت بالقرآن العظيم للعلامة شمس الدين المعروف بابن القطان)).اور ہندوستان میں بھی بعض بعض شہروں میں مروج ہے مثلاً بریلی شریف میں عرصہ تیس یا بتیس سال سے ہر جمعہ کے دن مزارات خاندان اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہُ العزیز پر جا کر طلبائے مدرسہ منظر اسلام و اہل شہر دو ختم قرآن شریف کرکے اس کا ثواب پہونچاتے ہیں اور وہاں سے بہت پہلے تقریباً سو سال سے بدایوں مزارات خاندان جناب تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر محبّ الرسول قدس سرہٗ پر اہل شہر و طلبائے مدرسہ قادریہ جا کر جمعہ کو دو ختم قرآن شریف کیا کرتے اور اس کا ثواب ان بزرگوں کو بخشتے ہیں اور انصار کرام کا دستور العمل بھی حدیثوں سے ثابت ہے:

((أَخْرَجَ الْخَلَّالُ فِي الْجَامِعِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: كَانَتِ الْأَنْصَارُ إِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اخْتَلَفُوا إِلَى قَبْرِهِ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ)).”انصار کے یہاں جب کوئی مرتا تو لوگ اسکی قبر پر جاتے قرآن شریف پڑھتے“۔(مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۸۲)

((وفي شرح اللباب: ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يس وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرة أو إحدى عشر أو سبعاً أو ثلاثاً، ثم يقول:

اللهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم)). [ردالمختار، جلد اول، ص۸۸۴]
”شرح لباب میں ہے اور پڑھے جو آسان ہو قرآن سے مثلاً سورہ فاتحہ، اول بقرہ مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یٰسین، تبارک الملک، سورۃ تکاثر، سورہ اخلاص ۱۲ یا ۱۱ یا ۷ یا ۳ بار پھر کہے خداوند جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا ان لوگوں کو پہونچا“۔

اور بعض بعض سورتیں کہ خاص طور پر حدیث شریف میں جن کے پڑھنے کا ثواب مذکورہ ہے۔ ان سورتوں کا پڑھنا حضور اقدس ﷺ کی تعمیل ارشاد کے سبب بہت زیادہ باعث اجر ثواب ہے اور وہ بھی بہت ہیں جن میں بعض بعض اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

(الف):((عَنْ عَلِيٍّ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ «مَنْ مَرَّ عَلَى الْمَقَابِرِ وَقَرَأَ {قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ} [الإخلاص: 1] إِحْدَى عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ أَجْرَهَا لِلْأَمْوَاتِ أُعْطِيَ مِنْ الْأَجْرِ بِعَدَدِ الْأَمْوَاتِ». رواه الدار قطني, عيني شرح الهداية جلد 2 ص 1611 والشامي جلد 2 ص 243)). ”دار قطنی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ الکریم سے راوی کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے، اس کو ان مردوں کی بدولت ان مردوں کے برابر ثواب ملے“۔

(ب):((عن عَبْد اللهِ بْن عُمَرَ قال: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ وَأَسْرِعُوا بِهِ إِلَى قَبْرِهِ وَلْيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهِ فَاتِحَةُ البَقَرَة وَعِنْدَ رِجلَيْهِ بِخَاتِمَةِ البَقَرَةِ)). [رواه البيهقى فى شعب الايمان وقال والصحيح انه موقوف عليه]. ”بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی مرے تو اس کو مت روکو اور جلد قبر

تک اس کو پہونچاؤ اور اس کے سرہانے ابتداء سورہ بقرہ مفلحون تک اور پائنتی میں خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول سے آخر تک پڑھا کرو۔ یہ حدیث اگرچہ بیہقی نے مرفوعا روایت کی مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر پر موقوف ہے"۔

(ج):((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، وَأَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ. ثُمَّ قَالَ: إِنِّي جَعَلْتُ ثَوَابَ مَا قَرَأْتُ مِنْ كَلَامِكَ لِأَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، كَانُوا شُفَعَاءَ لَهُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى». رواه أَبُو الْقَاسِمِ: سَعْدُ بْنُ عَلِيٍّ الزَّنْجَانِيُّ فِي فَوَائِدِهِ مرقاة: جلد 2, ص 382)). "ابو القاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص قبرستان جائے پھر سورہ فاتحہ، قل ھو اللہ احد، الھٰکم التکاثر پڑھے پھر کہے خداوندا جو کچھ میں نے تیرا کلام پڑھا، اس کا ثواب مقبرہ والے مسلمانوں عورتوں کو نذر کیا تو وہ لوگ خداوند عالم کے یہاں اس کے سفارشی ہوں گے"۔

(د) :((عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ فَقَرَأَ سُورَةَ يس خَفَّفَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَكَانَ لَهُ بِعَدَدِ مَنْ فِيهَا حَسَنَاتٌ». (رواه عبد العزيز صاحب الخلال بسنده)). "عبد العزیز صاحب خلال نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان جائے اور سورہ یٰس پڑھے، اللہ تعالیٰ ان مردوں سے مواخذہ ہلکا فرمائے اور جس قدر مردے اس قبرستان میں ہیں ان کی تعداد کے مطابق اس شخص کو نیکیاں ملیں گی"۔(مرقات جلد ۲ ص ۳۸۲)

(ہ) :((عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ: قَالَ حَمَّادٌ الْمَكِّيُّ: خَرَجْتُ لَيْلَةً إِلَى مَقَابِرِ مَكَّةَ فَوَضَعْتُ رَأْسِي عَلَى قَبْرٍ فَنِمْتُ، فَرَأَيْتُ أَهْلَ الْمَقَابِرِ حَلَقَةً حَلَقَةً، فَقُلْتُ: قَامَتِ الْقِيَامَةُ قَالُوا: لَا، وَلَكِنْ رَجُلٌ مِنْ إِخْوَانِنَا قَرَأَ: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ،

وَجَعَلَ ثَوَابَهَا لَنَا فَنَحْنُ نَقْتَسِمُهُ مُنْذُ سَنَةٍ. رواه القاضي أبو بكر بن عبد الباقي الأنصاري في مشيخته)). "قاضی ابو بکر بن عبد الباقی انساری اپنے مشخیت میں سلمہ بن عبید سے راوی کہا: حماد مکی نے کہا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا اور سو رہا تو میں نے قبرستان والوں کو حلقہ حلقہ دیکھا۔ میں نے کہا کیا قامت قائم ہوگئی ہے بولے نہیں لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ہو اللہ پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو ہم سال بھر سے اس کو تقسیم کر رہے ہیں"۔(مرقات جلد ص ۳۸۲)

(و): ((عَن أَبي بكر الصّديق، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: من زار قبر وَالِديه أَو أَحدهمَا، فَقَرَأَ عِنْده أَو عِنْدهمَا يس، غفر لَهُ. رواه أبو بكر بن البخاري في كتاب السنن. عمدة القاري شرح البخاري, جلد 1 ص 875)).

"ابو بکر نجار کتاب السنن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص اپنے والدین یا ان مین کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس سورہ یٰسین پڑھے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گی"۔

بائیسواں طریقہ: میت کیلئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا:

میت کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا یعنی نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کو بخشنا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رد المختار جلد ۲ ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں: ((وَرَوَى الدَّار قُطْنِيّ: «أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَقَالَ: كَانَ لِي أَبَوَانِ أَبَرُّهُمَا حَالَ حَيَاتِهِمَا فَكَيْفَ لِي بِبِرِّهِمَا بَعْدَ مَوْتِهِمَا؛ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إنَّ مِنْ الْبِرِّ بَعْدَ الْمَوْتِ أَنْ تُصَلِّيَ لَهُمَا مَعَ صَلَاتِك وَأَنْ تَصُومَ لَهُمَا مَعَ

صَوْمِكَ »)). ”دار قطنی نے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کہا کہ میرے ماں باپ ہیں۔ ان کی حیات میں تو ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کس طرح نیکوئی کر سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی روزہ رکھو“۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنے رسالہ تذکرۃ الموتیٰ و القبور ص ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”وابن ابی شیبہ از حجاج بن دینار روایت کردہ کہ رسول اللہ ﷺ فرمود از جملہ نیکی کردن با پدر و مادر آن ست کی نماز گذاری برائے آنہا با نماز خود و روزہ خود داری برائے آنہا با روزہ خود و صدقہ دہی از طرف آنہا با صدقہ خود“۔

”ابن ابی شبیہ حجاج ابن دینار سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے ہی سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ نماز پڑھو ان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھو ان کے لئے اپنے روزے کے ساتھ اور صدقہ دو ان کی طرف سے اپنے صدقہ کے ساتھ“۔

((عن مالك بن دينار قال: دخلت المقبرة ليلة الجمعة، فإذا بنور مشرق فيها فقلت: لا إله إلا الله، نرى أن الله عز وجل قد غفر لأهل المقابر، فإذا أنا بهاتف يهتف من البعد وهو يقول: يا مالك بن دينار هذه هدية المؤمنين إلى إخوانهم من أهل المقابر، فقلت: بالذي أنطقكم، ألا أخبرتني ما هو؟ قال: رجل من المؤمنين قام هذه من الليل فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين فقرأ فيها فاتحة الكتاب، و﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ﴾ و﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴾ ، وقال: اللهم إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء

والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب. قال مالك: فلم أزل أقرأها في كل جمعة، فرأيت النبي ﷺ في المنام فيقول: ((يا مالك! غفر الله لك بعدد النور الذي أهديته إلى أمتي، ولك ثواب ذلك))، ثم قال لي:((وبنى الله لك بيتاً في الجنة في قصر يقال له المنيف))، قلت: وما المنيف؟ قال:((المطل على أهل الجنة)) رواه النجار في تاريخه)).

"ابن النجار اپنی تاریخ میں مالک بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں شب جمعہ کو قبرستان میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک نور تاباں ہے۔ میں نے کہا لا الہ الا اللہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس قبرستان والوں کی مغفرت فرمادی۔ اتنے میں سنا کہ دور سے ایک ہاتف غیبی کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ہدیہ ہے جو اپنے بھائی اس قبرستان والوں کے پاس بھیجا۔ میں نے کہا قسم اس ذات کی جس نے تجھ کو گویائی بخشی مجھے خبر دے کہ واقعہ کیا ہے؟ اس نے کہا ایک مسلمان شخص اس شب میں کھڑا ہوا اور اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھی اور ان دنوں میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا اور کہا کہ خداوند میں نے اس کا ثواب قبرستان والے مردوں اور عورتوں کو بخشا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشنی اور نور، کشادگی اور سرور مشرق و مغرب میں داخل کیا۔ مالک کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ہر جمعہ کو اسے پڑھنے لگا پس میں نے حضور پر نور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے مالک! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا بقدر تعداد اس نور سے جو تو نے میری امت کی طرف ہدیہ کیا اور تیرے لئے اس کا ثواب ہے پھر مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے "قصر منیف" میں گھر بنوایا۔ میں نے پوچھا کہ قصر منیف کیا؟ فرمایا، جنتیوں پر سایہ کرنے والا۔ (شرح احیاء العلوم ۲ ص ۲۷۳)

تئیسواں طریقہ:

کنواں کھودوا کر مردے کی طرف سے وقف کر دینا:

((عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ، فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟، قَالَ:« الْمَاءُ»، قَالَ: فَحَفَرَ بِئْرًا، وَقَالَ: هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ. رواه أبو داود والنسائي)). ”ابو داؤد اور نسائی حضرت سعد بن عبادہ سے راوی ہیں۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ام سعد کا انتقال ہو گیا تو کون سا صدقہ ان کے لئے بہتر ہو گا ارشاد ہوا پانی بس انہوں نے کنواں کھودا اور کہا یہ ام سعد کے لئے ہے“ (مشکوۃ ص ۱۶۹)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد ۲ ص ۴۷۷ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ((فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ أَيْ لِرُوحِهَا قَالَ: الْمَاءُ إِنَّمَا كَانَ الْمَاءُ أَفْضَلَ لِأَنَّهُ أَعَمُّ نَفْعًا فِي الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ وَالدُّنْيَوِيَّةِ خُصُوصًا فِي تِلْكَ الْبِلَادِ الْحَارَّةِ، وَلِذَلِكَ مَنَّ اللّٰهُ تَعَالَى بِقَوْلِهِ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾[الفرقان: 48] كَذَا ذَكَرَهُ الطِّيبِيُّ)). ”کون سا صدقہ ام سعد کی روح کے لئے افضل ہے؟ حضور نے فرمایا کہ پانی اور پانی کو اس لئے افضل صدقہ فرمایا کہ اس کا نفع دین اور دنیوی سب کاموں میں عام ہے، خصوصاً ان گرم ملکوں میں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾ میں پانی اتارنے پر احسان رکھا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے ذکر کیا“۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اصل اس دستور و رواج کی ہے جو مسلمانوں میں مروج ہے کہ مسجدوں میں نمازیوں کے غسل و وضو کرنے کے لئے گھڑا لوٹا وغیرہ بھیجتے ہیں کہ اگر کنواں نہ کھودوایا تو ہمارا بھرا گھڑا مسجد میں رہے گا۔ کوئی پیاسا پانی پئے گا، کوئی وضو غسل کرے گا تو اس کا ثواب بھیجنے والے کو یا جس کی طرف سے بھیجا گیا ہے، اس کو ملے گا خصوصاً جن گھڑوں لوٹوں سے

میت کو غسل دیتے ہیں، اس کو تو غسل دینے کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے مسجدوں میں بھیج دینے کا عام دستور ہے۔ البتہ بعض جگہ اس گھڑے اور لوٹے کو جس سے میت کو غسل دیتے ہیں، میت کے ساتھ قبرستان لے جاتے ہیں اور قبر کی مٹی برابر کرنے کے بعد اس گھڑے میں بڑا سوراخ کرکے میت کے سرہانے اور لوٹے میں سوراخ کرکے میت کے پائنتی میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ اضاعت مال اور گناہ ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ، أَفَيَنْفَعُهَا إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّ لِي مَخْرَفًا، فَأُشْهِدُكَ أَنِّي قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا. رواه الترمذي ص 85, وقال: هذا حديث حسن، وبه يقول اهل العلم)). "ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہوگیا۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو ان کو مفید ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! اس شخص نے کہا کہ میرا ایک باغ ہے۔ میں حضور کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اہلِ علم کا بھی یہی قول ہے"۔

((عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أُمِّيَ افْتُلِتَتْ نَفْسَهَا وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ لتَصَدَّقَتْ، فَهل لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ» رواه البخاري ص 154 ومسلم ص 324)). "امام بخاری و مسلم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا دفعۃً انتقال

ہو گیا۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو ضرور صدقہ کرتیں، تو کیا ان کو ثواب ملے گا؟ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایاہاں!"

علامہ نووی شرح مسلم، ص۳۲۴میں تحریر فرماتے ہیں: ((في هذا الحديث أن الصدقة عن الميت تنفع الميت ويصله ثوابها وهو كذلك بإجماع العلماء وكذا أجمعوا على وصول الدعاء وقضاء الدين بالنصوص الواردة في الجميع)). "اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ دینا، مردہ کو فائدہ بخش ہے اور اس کا ثواب مردہ کو ملتا ہے، اس کو پہونچتا ہے۔ اس پر علما کا اجماع ہے اور اسی طرح اجماع ہے دعا کے پہونچنے، دین کے ادا ہونے پر ان نصوص سے جو ان سب پر وارد ہوئیں"۔

علامہ عینی شرح بخاری، جلد ۴، ص۲۴۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ((ويستفاد منه أن الصدقة عن الميت تجوز وأنه ينتفع بها)). "اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس سے مردہ کو نفع پہونچتا ہے"۔

اسی میں ایک دوسری جگہ ہے: ((وروى أَحْمد عَن عبد الله بن عَمْرو أَن الْعَاصِ بن وَائِل نذر فِي الْجَاهِلِيَّة أَن ينْحَر مائَة بَدَنَة، وَأَن هِشَام بن الْعَاصِ نحر عَنهُ خمسين، وَأَن عمرواً سَأَلَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عَن ذَلِك، فَقَالَ: أَمَّا أَبُوكَ، فَلَوْ كَانَ أَقَرَّ بِالتَّوْحِيدِ، فَصُمْتَ، وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ، نَفَعَهُ ذَلِكَ. عيني شرح البخاري, جلد 2 ص 246)). "امام احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا کہ ان کے باپ عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانا تھا کہ سو اونٹ قربانی کریں گے اور ہشام ابن عاص نے ان کی طرف پچاس اونٹ قربان کیا اور عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔

حضور نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ توحید کا اقرار کرتا تو تم روزہ رکھتے اور اس کی طرف سے صدقہ کرتے تو نفع دیتا''۔

اور اسی میں ہے ص۲۴۶: ((وَعن ابْن مَاكُولَا من حَدِيث إِبْرَاهِيم بن حبَان عَن أَبِيه عَن جده عَن أنس رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، أَنه قَالَ: سَأَلت رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَقلت: إِنَّا لندعو لموتانا ونتصدق عَنْهُم ونحج، فَهَل يصل ذَلِك إِلَيْهِم؟ فَقَالَ: إِنَّه ليصل إِلَيْهِم ويفرحون بِهِ كَمَا يفرح أحدكُم بالهدية)). ''ابن ماکولا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے صدقہ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہونچتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک ضرور ان کو پہونچتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی ہدیہ بھیجنے سے خوش ہوتا ہے۔''

سبحان اللہ! یہ حدیث بھی عجیب وغریب جامع انواع ثواب ہے۔ اس لیے کہ ایصال ثواب تین طرح سے ہو سکتا ہے۔ بدنی، مالی، دونوں کا مجموعہ، اس حدیث نے تینوں کو جمع کر دیا ندعو لموتانا عبادت بدنی ہے۔ نتصدق عنہم ثواب مالی نحج عنہم عبادت مجموعہ مالی وبدنی ثابت ہوا کہ مردے کو ہر قسم کا ثواب پہونچتا ہے، بدنی ہو یا مالی یا دونوں کا مجموعہ۔

شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور، جلد اول، ص۷۶۳ میں فرماتے ہیں: ''مستحب ست کہ تصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز وتصدق از میت نفع می کند اور ابے خلاف میان اہل علم ووارد شدہ ست دران احادیث صحیحہ خصوصاً آب وبعضے از علما گفتہ اند کہ

نمی رسد میت را مگر صدقہ ودعا در بعض روایات آمدہ ست کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ، پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یانہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔

"مستحب ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے۔ اس کے دنیا سے گذرنے کے بعد سات روز تک میت کی جانب سے صدقہ کرنا میت کو نفع پہونچاتا ہے۔ اس بارے میں اہلِ علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں خصوصاً بعض علمانے فرمایا ہے کہ نہیں پہونچتا ہے میت کو مگر صدقہ اور دعا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی شب کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی جانب سے لوگ صدقہ کرتے ہیں کہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ میت کے ایصال ثواب کے لیے جو لوگ کھانا وغیرہ پکوا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں تو یہ میت کی طرف سے صدقہ ہے تو چاہیے کہ صرف فقرا کو دیا جائے۔ لیکن متعارف ہے کہ اعزہ اقارب دوست احباب اغنیا وغیرہ سب کھاتے اور سب کو کھلاتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ صدقہ واجبہ نہیں جو فقرا کے ساتھ خاص ہو، اغنیا کے لیے ناروا بلکہ صدقہ نافلہ ہے اور کارِ خیر ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ایک حدیث ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طعام میت میں شریک ہوئے تو اگر یہ ناجائز ہوتا یا قابل احتراز ہوتا تو خود حضور اقدس صلی اللہ وسلم ہر گز نہ شریک ہوتے۔

((عن عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوصِي الْحَافِرَ: «أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ، أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ». فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهُ دَاعِي امْرَأَةٍ فَجَاءَ وَجِيءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ، ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ، فَأَكَلُوا، فَنَظَرنا إلى رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوكُ لُقْمَةً

فِي فَمِهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا». فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ، تقول: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى النَّقِيعِ (وهو موضع يباع فيه الغنم) لِيَشْتَرِيَ لِي شَاةً، فَلَمْ توجد فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِي قَدِ اشْتَرَى شَاةً، أَنْ يرْسل بها إِلَيَّ بِثَمَنِهَا، فَلَمْ يُوجَدْ، فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَطْعِمِي هَذَا الطَّعَامَ إلا الْأُسَارَى». رواه أبو داود. والبيهقي في دلائل النبوة)).

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ گورکن کو فرماتے ہیں: پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کرو، سر کی طرف سے فراخ کرو۔ جب بعد دفن واپس ہوئے۔ اس میت کی بی بی نے ایک آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے، نوش جان فرمائیے آپ نے قبول فرمایا اور ہم سب آپ کے ساتھ تھے، وہاں گئے کھانا سامنے آیا۔ آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر سب جماعت نے بڑھایا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دہن مبارک میں لقمہ چبارہے ہیں اور فرو نہیں کرتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے جو بغیر اجازت مالک کے لی گئی ہے۔ عورت نے یہ کہلا بھیجا کہ یارسول اللہ! میں نے آدمی نقیع میں بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری خریدی جائے تو وہاں نہ ملی۔ تب میں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو بکری اس نے خریدی ہے، وہ مجھ کو بقیمت دے۔ اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر میں نہ تھا تو میں نے اس کی بی بی کے پاس آدمی بھیجا تو اس نے بے اجازت شوہر بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلادو۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا"۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ، جلد ۵، ص ۴۸۲ میں فرماتے ہیں: ((هذا الحديث بظاهره يرد على ما قرره أصحاب مذهبنا من أنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول أو الثالث أو بعد الأسبوع)). "عاصم بن کلیب کی یہ حدیث کھلے طور پر رد کرتی ہے اس مسئلہ کو جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے کہ پہلے روز اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کھانا تیار کرنا مکروہ ہے"۔

پھر ملا علی قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب والوں کے قول اور حدیث میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں: ((فلينبغي أن نقيد كلامهم بنوع خاص من اجتماع يوجب استحياء أهل بيت الميت، فيطعمونهم كرهاً، أو يحمل على كون بعض الورثة صغيراً أو غائباً، أو لم يعرف رضاه، أو لم يكن الطعام من عند أحد معين من مال نفسه)). "حنفیہ جو طعام میت کو مکروہ بتاتے ہیں، وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اجتماع ایک خاص قسم کا ہو، جس سے اہل میت شرمائیں اور شرما کر ان لوگوں کو کھلائیں یا جبکہ بعض ورثہ نابالغ ہوں یا غائب ہوں یا اس پر راضی نہ ہوں یا کم از کم رضامندی معلوم نہ ہو یا کسی خاص شخص کی طرف خود اس کے مال سے وہ کھانا تیار نہ کیا گیا ہو"۔

ہدایہ فصل صدقہ، ج ۳، ص ۴۰۹ میں ہے: (قد يقصد بالصدقة على الغني الثواب). "اغنیا کا کھلانا جس طرح ان کی رضاجوئی کے لیے ہوتا ہے کبھی اس سے مقصود حصول ثواب بھی ہوتا ہے"۔

مجمع البحار، جلد دوم، ص ۲۳۸ میں ہے: ((الصدقة ما تصدقت به على الفقراء، أي: غالب أنواعها كذلك, فإنها على الغني جائزة عندنا يثاب به بلا خلاف)). "صدقہ اس کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جائے یعنی غالب انواع اس کا فقراء کے لیے ہوتا ہے، ورنہ غنی کو دینا بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس پر بلا خلاف اجر و ثواب ملے گا"۔

خود حدیث شریف میں ہے: ((كل معروف صدقة)). ہر معروف کام کرنے میں صدقہ کا ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ اغنیا کو کھانا کھلانا منکر نہیں بلکہ معروف ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ اسی وجہ سے مسلمانوں میں مروج ہے کہ میت کی طرف سے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکوا کر فقراء کو کھلاتے یا تقسیم کرتے ہیں اور اس میں کبھی کبھی اغنیا کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا:

((عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ يَطَأُ فِي سَوَادٍ، وَيَبْرُكُ فِي سَوَادٍ، وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ، فَأُتِيَ بِهِ لِيُضَحِّيَ بِهِ، فَقَالَ لَهَا: «يَا عَائِشَةُ، هَلُمِّي الْمُدْيَةَ». ثُمَّ قَالَ: «اشْحَذِيهَا بِحَجَرٍ». فَفَعَلَتْ: ثُمَّ أَخَذَهَا، وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ، ثُمَّ ذَبَحَهُ، ثُمَّ قَالَ: «بِاسْمِ اللهِ، اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ، ثُمَّ ضَحَّى بِهِ». (رواه مسلم جلد 2 ص 156)). "امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے لیے ایک بکرا سینگ والا لایا جائے جس کے دونوں پاؤں سیاہ ہوں، پیٹ سیاہ ہو، آنکھیں سیاہ ہوں یعنی وہ بکرا سر سے پاؤں تک سیاہ ہو، تو ایسا بکرا لایا گیا۔ ارشاد ہوا: اے عائشہ چھری لاؤ اور اس کو پتھر پر تیز کر لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا پھر حضور نے وہ چھری لی اور اس بکرے کو پکڑا اور لٹایا پھر ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ خداوندا اس کو قبول فرما محمد اور امت محمد کی طرف سے پھر قربانی کی"۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ، جلد۲، ص۲۶۱ میں لکھتے ہیں:((قال الطيبي: المراد المشاركة في الثواب مع الأمة؛ لأن الغنم الواحد لا يكفي عن اثنين فصاعداً)). "علامہ طیبی نے فرمایا کہ اس سے مراد امت کو ثواب میں شریک کرنا ہے۔ اس لیے کہ ایک بکری دو آدمی یا زیادہ کی طرف سے کفایت نہیں کرتی"۔

((وعَنْ جَابِرٍ قَالَ: ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوجَأَيْنِ، فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ: «إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِاسْمِ اللَّهِ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ». ثُمَّ ذَبَحَ. رواه أحمد وأبو داود وابن ماجة والدارمي))۔ "یہ محدثین حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لیے وہ بکرے سینگ والے خوبصورت آختہ ذبح فرمائے۔ جب ان کو لٹایا دعا پڑھی "اللّٰھم انی وجھت وجھی، الخ" اور فرمایا کہ خداوندا یہ تیرا عطیہ ہے اور تیرے لیے ذبح کیا گیا ہے محمد اور امت محمد کی طرف سے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ، جلد ۲، ص ۳۶۵ میں تحریر فرماتے ہیں: ((عن محمد أي: صادرة عنه. (وأمته) أي: العاجزين عن متابعته في سنة أضحيته، وهو يحتمل التخصيص بأهل زمانه، والتعميم المناسب لشمول إحسانه، والأول يحتمل الأحياء والأموات أو الأخير منهما، ثم المشاركة إما محمولة على الثواب، وإما على الحقيقة، فيكون من خصوصية ذلك الجناب، والأظهر أن يكون أحدهما عن ذاته الشريفة، والثاني عن أمته الضعيفة)).

"یہ قربانی صادر ہے محمد اور ان کے امتیوں کی طرف سے جو سنت اضحیہ میں آپ کی متابعت سے عاجز ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ فقط انہیں لوگوں کی طرف سے ہو جو حضور کے زمانہ میں تھے یا سب کو عام ہو اور یہی شمول احسان کے اعتبار سے مناسب ہے اور اول احتمال رکھتا ہے زندوں اور مردوں سب کو یا فقط مردوں کو۔ پھر مشارکت یا تو فقط ثواب میں ہے یا حقیقۃً قربانی مراد ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کی خصوصیات سے ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ ایک حضور کی طرف سے ہو اور دوسری قربانی آپ کی امت ضعیف کی جانب سے۔"

((وفي رواية لأحمد وأبي داود والترمذي: ذبح بيده وقال: بسم الله الله أكبر, اللهم هذا عني وعمن لم يضح من أمتي)). "امام احمد وابوداؤد وترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے خود اپنے دست حق پرست سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا۔ خداوندا یہ قربانی میری طرف سے اور میری ان امتیوں کی طرف سے جنہوں نے قربانی نہ کی۔"

((وعَنْ حَنَشٍ قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ: مَا هَذَا؟ فَقَالَ: «إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِي أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ». رواه أبو داود والترمذي نحوه)). "ابوداؤد اور ترمذی نے حنش بن عبداللہ سبائی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ دو بکرا قربانی کیا۔ میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں تو میں ایک جانور ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات، جلد۲، ص۳۶۵میں فرماتے ہیں: ((أن أضحي عنه: بعد موته إما بكبشين على منوال حياته، أو بكبشين أحدهما عنه، والآخر عن نفسي. فأنا أضحي عنه : قال ابن الملك: يدل على أن التضحية تجوز عمن مات)). "حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جو فرمایا کہ ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ حضور کے وصال کے بعد جس طرح آپ اپنی حیات میں دو جانور قربانی کیا کرتے تھے، اسی طرح میں بھی حضور کی طرف سے دو جانور قربانی کرتا ہوں یا دو میں سے ایک حضور کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے قربانی کرتا

ہوں۔ ابن ملک نے کہا کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنی جائز ہے"۔

ردالمختار، جلد۵، ص۲۲۰میں ہے:((وأن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على تلك الذابح والثواب للميت)). "اگر کسی نے میت کی طرف سے تبرکاً قربانی کی تو اس سے کھانا جائز ہے کیونکہ یہ قربانی ملک ذابح پر واقع ہوئی اور مردہ کو قربانی کا ثواب ملے گا۔" واللہ تعالیٰ علم۔

سوال نمبر3:

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اہل بیت واصحاب میں سے جو لوگ وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجہ الکبریٰ زوج النبی ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ ورضی اللہ عنہن و حضرت خبیب، حضرت حمزہ وحضرت جعفر طیار ودیگر شہدائے جنگ بدر وخیبر واحد وحنین وتبوک وغیرہا رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ اور ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خاص آنحضرت ﷺ کے لیے یا پہلے یا اپنے وقت کے اموات وشہدا کے لیے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے کیا؟ اور ایک بار یا برابر کرتے تھے؟ جواب باصواب مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعیین صفحہ ونام مطبع مرحمت ہو۔

جواب سوال سوم:

ایصال ثواب کے متعدد طریقے سوال (۱) اور (۲) کے جواب میں تحریر کئے گئے۔ ان میں بعض بعض طریقے تو جملہ صحابہ کرام وصحابیات حضرت ام المومنین

خدیجۃ الکبریٰ وبنات طاہرات حضرت رقیہ وام کلثوم وحضرت خبیب وحضرت حمزہ وحضرت جعفر طیار ودیگر شہدائے جنگ بدر وخیبر واحد وحنین وتبوک وغیرہا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایصال ثواب کے لیے خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھ صحابہ واہل بیت نے کیا۔ جس کی قدرے تفصیل گزشتہ جواب سے ظاہر اور تفصیل مزید واقف سیر وتاریخ سے پوشیدہ نہیں اور نہ فقط ایک ہی مرتبہ بلکہ ان میں بعض بعض تو بارہا برتے گئے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت ہر سال کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس سنت سنیہ کو جاری رکھا۔ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی زیارت کو جایا کرتیں، وہاں نماز پڑھتیں اور رویا کرتیں، دعا کرتی تھیں۔

امام محمد بن محمد غزالی احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں: ((وعن جعفر بن مُحَمّد عن أبيه أن فاطمة بنت رسول الله ﷺ كانت تزور قبر عمها حمزة في الأيام فتصلي وتبكي عنده)). "حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی پردادی حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے (والد کے) چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم کی قبر کی زیارت کو جایا کرتیں تو وہاں جاکر نماز پڑھتیں اور ان کے پاس روتی تھیں"۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح میں فرماتے ہیں:((وروى البيهقي في الشعب عن الواقدي قال كان النبي ﷺ يزور الشهداء بأحد في كل حول, وإذا بلغ رفع صوته فيقول: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ, ثم أبو بكر كل حول يفعل مثل ذلك, ثم عمر ثم عثمان وكانت فاطمة رضى الله عنها تأتيه وتدعو, وكان سعد بن أبي وقاص يسلم عليهم ثم يقبل على أصحابه فيقول: ألا تسلمون على قوم يردون عليكم السلام)). "بیہقی شعب الایمان میں واقدی سے

راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب وہاں پہونچتے، بلند آواز سے فرماتے: ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ)). کہتے پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان بھی ایسا کیا کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما حضرت حمزہ کی زیارت کو آتیں اور دعا کرتیں تھیں اور حضرت سعد بن وقاص بھی شہدائے احد پر سلام کیا کرتے تھے اور پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تم اس قوم پر کیوں نہیں سلام کرتے جو تمہارے سلام کا جواب دیں"۔

شرح احیاء العلوم، جلد۱۰، ص۳۶۴ میں ہے:((وروى ابن أبي شيبة عن أبي جعفر: أن فاطمة بنت رسول الله ﷺ كانت تزور قبر حمزة رضي الله عنه، ترمه وتصلحه، وقد تعلمته بحجر. ورواه يحي نحوه عن أبي جعفر عن أبيه علي بن الحسين، وزاد: فتصلي هناك وتدعو وتبكي حتى ماتت)). "ابن ابی شیبہ حضرت ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کیا کرتیں اور اس کی مرمت کرتیں، اصلاح درستگی کرتیں اور پتھر کے ذریعے علامت بنادی تھی" اور یحییٰ نے مثل روایت سابق ابو حعفر سے، انہوں نے اپنے والد علی بن حسین امام زین العابدین سے روایت کیا اور اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ وہاں پڑھتیں، دعا کرتیں، روتیں۔ یہ دستور وطریقہ ہمیشہ جاری رہا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوا۔"

معلوم ہوا کہ دوچار بار کون پوچھتا ہے، ہمیشہ رسول ﷺ، خلفائے راشدین، حضرت امیر معاویہ، سعد بن وقاص مع جماعت احباب اور مدت العمر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہدائے احد کی سالانہ زیارت کو آیا کرتے اور سلام کرتے اور دعا کرتے رہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا اپنے احباب واصحاب سے یہ کہنا:((ألا تسلمون علی قوم یردون علیکم السلام)). اس حدیث کی تصدیق ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور شہدائے احد کی زیارت کی اور فرمایا:

((«اللَّهُمَّ إِنَّ عَبْدَكَ وَنَبِيَّكَ يَشْهَدُ أَنَّ هَؤُلَاءِ شُهَدَاءُ، وَأَنَّهُ مَنْ زَارَهُمْ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ رَدُّوا عَلَيْهِ»)). خداوندا تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں۔ قیامت تک جو شخص ان کی زیارت کرے گا اور ان پر سلام بھیجے گا یہ لوگ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

((قَالَ الْعَطَّافُ: وَحَدَّثَتْنِي خَالَتِي: أَنَّهَا زَارَتْ قُبُورَ الشُّهَدَاءِ، فَسَلَّمْت عَلَيْهِمْ، فَسَمِعْت رَدَّ السَّلَامِ، وَقَالُوا: واللّٰه إِنَّا نَعْرِفُكُمْ كَمَا يَعْرِفُ بَعْضُنَا بَعْضًا، قَالَتْ: فَاقْشَعْرَرْتُ)). "عطاف بن خالد راوی حدیث کہتے ہیں کہ میری خالہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے شہداء کی زیارت کی پس ان پر سلام کیا تو جواب سلام سنا اور ان لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح ہمارا بعض بعض کو پہچانتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔"

((عن هَاشِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيِّ، مِنْ وَلَدِ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ يَقُولُ: «أَخَذَنِي أَبِي بِالْمَدِينَةِ إِلَى زِيَارَةِ قُبُورِ الشُّهَدَاءِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَيْنَ طُلُوعِ الْفَجْرِ وَالشَّمْسِ، فَكُنْتُ أَمْشِي خَلْفَهُ فَلَمَّا انْتَهَى إِلَى الْمَقَابِرِ رَفَعَ صَوْتَهُ، وَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ، قَالَ: فَأُجِيبَ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَاعَبْدَ اللّٰه، قَالَ: فَالْتَفَتَ أَبِي إِلَيَّ وَقَالَ: أَنْتَ الْمُجِيبُ يَابُنَيَّ؟ فَقُلْتُ: لَا، فَأَخَذَ بِيَدِي وَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، ثُمَّ أَعَادَ السَّلَامَ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ جَعَلَ كُلَّمَا سَلَّمَ عَلَيْهِمْ رَدُّوا عَلَيْهِ، حَتَّى فَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَخَرَّ لِلّٰهِ تَعَالَى سَاجِدًا. رواه البيهقي)). "امام بیہقی ہاشم بن محمد عمری سے روایت کرتے ہیں کہا۔ کہ میرے والد مدینہ طیبہ میں مجھے جمعہ کے دن درمیان طلوع فجر و طلوع شمس یعنی صبح

صادق کے وقت شہدائے احد کی زیارت کے لیے گئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جب وہ قبرستان پہونچے، آواز بلند کی اور ((سلَام عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ)). کہا۔ راوی نے کہا تو کسی نے آپ کے سلام کا جواب دیا ((عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا عَبْدَ اللّٰه))." اس جواب کو سن کر میرے والد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہیں پھر مجھے اپنی دہنے طرف کر لیا پھر سلام کیا تو جب جب سلام کرتے، جواب پاتے تھے۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ کیا تو آپ سجدہ میں گرے"۔

((وعن فاطمة الخزاعية تقول: لقد رأيتني وغابت الشمس بقبور الشهداء ومعي أخت لي، فقلت لها: تعالي نسلم على قبر حمزة، فوقفنا على قبره، فقلنا: السلام عليكم يا عمّ رسول الله ﷺ، فسمعنا كلاماً رد علينا: وعليكم السلام ورحمة الله، قالت: وما قربنا أحد من الناس. رواه البيهقي)).

"فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ ایک دن آفتاب ڈوبتے وقت شہدائے احد کے قبور پر میرا گزر ہوا اور میرے ساتھ میری بہن بھی تھی۔ میں نے کہا آؤ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے چلیں۔ ہم دونوں بہن ان کی قبر پر ٹھہرے اور ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ پر سلام ہو۔ پس ہم نے سنا کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور وعلیک السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں اور ہمارے آس پاس کوئی آدمی نہ تھا۔" (وفاء الوفا، جلد ۲، ص ۱۱۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعد کے مسلمان تابعین تبع تابعین، رجال ونساء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الیٰ یوم الدین برابر سال بہ سال حضرت رضی اللہ عنہ ودیگر شہدائے احد کے مزارات پر جاکر ایصال ثواب کیا کرتے تھے اور دیگر صحابہ کرام جن کے اسمائے طیبہ سوال میں

درج ہیں اور ان کے علاوہ وہ حضرات صحابہ عظام جن کے اسمائے گرامی درج نہیں، ان کے حالات بھی اگر بتفصیل کتب سیر و تواریخ میں دیکھے جائیں تو ہر ایک کے لیے ایصال ثواب کے گزشتہ طریقوں سے نہ صرف ایک دو بلکہ متعدد طریقے اور وہ بھی نہ صرف ایک بار بلکہ بارہا کرنا ثابت ہوگا اور اگر بالفرض نہ سہی تو عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ سیکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں، واقعات روز مرہ ہوا کرتے اور تاریخ میں ان کا ذکر نہیں تو کیا وہ سب باتیں شدہ بے شدہ ہو جائیں گی۔ ہاں ماننے اور عمل کرنے کے لیے مطلق ثبوت کافی ہے، اگرچہ ایک شخص ایک فرد کے لیے ہو۔

در خانہ کس ست یک حرف بس ست

اور قبر پر کھجور کی شاخ کا رکھنا تو بارہا ثابت ہوتا ہے۔ جن جن حدیثوں سے قبر پر جریدہ رکھنا ثابت ہوتا ہے، امام نووی کا خیال ہے کہ وہ سب ایک ہی واقعہ کا بیان ہے۔ شراح بخاری اس کا رد کرتے اور بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعات متعدد ہیں۔

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، جلد ۱، ص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں: ((وفيه نظر لما في حديث أبي بكرة عند الإمام أحمد والطبراني أنه الذي أتى بالجريدة إلى النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وأنه الذي قطع الغصنين فدلّ ذلك على المغايرة، ويؤيد ذلك أن قصة الباب كانت بالمدينة وكان معه عليه الصلاة والسلام جماعة. وقصة جابر كانت في السفر وكان خرج لحاجته فتبعه جابر وحده فظهر التغاير بين حديث ابن عباس وحديث جابر، بل في حديث أبي هريرة رضي الله عنه المروي في صحيح ابن حبّان ما يدل على الثالثة، ولفظه: أنه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مرّ بقبر فوقف فقال: ائتوني بجريدتين فجعل إحداهما عند رأسه والأخرى عند رجليه)). ”امام نووی کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اس میں نظر ہے۔ اس لیے کہ ابو بکرہ کی حدیث میں جسے امام

احمد طبرانی نے روایت کیا، یہ ہے کہ ابو بکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جریدہ لائے تھے اور انہوں نے اس کو دو حصہ کیا تھا تو یہ مغائرت کی دلیل ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب کا واقعہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت صحابہ کرام کی تھی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ سفر میں ہوا۔ اس وقت حضور قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیح ابن حبان میں مروی ہے، وہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تیسرا واقعہ ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے تو ٹھہرے اور فرمایا کہ کھجور کی دو شاخیں لاؤ۔ پس ایک کو میت کے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں۔"

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری، جلد اول، ص ۲۲۳ میں ہے:((وفي حديث أبي بكرة عند أحمد والطبراني أنه الذي أتى بها إلى النبي ﷺ وأما ما رواه مسلم في حديث جابر الطويل المذكور في أواخر الكتاب أنه الذي قطع الغصنين فهو في قصة أخرى غير هذه... فَبَان تغاير حَدِيث بن عَبَّاسٍ وحديث جابر وأنهما كانا في قصتين مختلفتين ولا يبعد تعدد ذلك وقد روى بن حبان في صحيحه من حديث أبي هريرة أنه ﷺ مر بقبر فوقف عليه فقال ائتوني بجريدتين فجعل إحداهما عند رأسه والأخرى عند رجليه فيحتمل أن تكون هذه قصة ثالثة)).

"ابی بکرہ کی حدیث میں امام احمد اور طبرانی کے نزدیک یہ ہے کہ ابی بکرہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شاخ لائے تھے لیکن وہ جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے یعنی جناب جابر کی حدیث جو طولانی ہے اور کتاب کے آخر میں درج ہے کہ انہوں نے دو ٹکڑے کیا تھا، یہ دوسرے قصہ میں ہے جو ان کے علاوہ ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس کی حدیث اور حضرت جابر کی حدیث میں مغائرت ہے اور یہ کہ یہ

دونوں دو مختلف قصوں میں واقع ہوئے ہیں اور قصوں کا متعدد ہونا بعید از قیاس نہیں ہے، جبکہ ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ کے حدیث کے ایک صحیفے میں روایت فرمایاہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس گزرے تو حضور اس پر ٹھہرے پھر فرمایا: لاؤ دو شاخیں پھر حضور نے کر دیا اس میں سے ایک کو سرہانے اور دوسری کو پائنتی تو احتمال اس بات کا ہے کہ یہ قصہ خود ایک تیسرا قصہ ہو"۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد اول، ص ۸۷۷ میں اس پر بہت بسط و تفصیل سے کلام فرماتے ہیں:

((مِنْهَا: أَن فِي متن هَذَا الحَدِيث: (ثمَّ دَعَا بجريدة فَكَسرهَا كسرتين) يَعْنِي: أُتِي بهَا فَكَسرهَا، وَفِي حَدِيث جَابر رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ رَوَاهُ مُسلم أَنه الَّذِي قطع الغصنين، فَهَل هَذِه قَضِيَّة وَاحِدَة ام قضيتان؟ الْجَواب: أَنَّهُمَا قضيتان، والمغايرة بَينهمَا من أوجه.

الأول: أَن هَذِه كَانَت فِي الْمَدِينَة، وَكَانَ مَعَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جمَاعَة، وَقَضِيَّة جَابر كَانَت فِي السّفر وَكَانَ خرج لِحَاجَتِهِ فَتَبِعَهُ جَابر وَحده.

الثَّانِي: أَن فِي هَذِه الْقَضِيَّة أَنه عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام، غرس الجريدة بعد أَن شقها نِصْفَيْنِ، كَمَا فِي رِوَايَة الْأَعْمَش الْآتِيَة فِي الْبَاب الَّذِي بعده، وَفِي حَدِيث جَابر: أَمر عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام جَابِراً، فَقطع غُصْنَيْنِ من شجرتين كَانَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم استتر بهما عِنْد قَضَاء حَاجته، ثمَّ أَمر جَابِراً فَأْلقى غُصْنَيْنِ عَن يَمِينه وَعَن يسَاره، حَيْثُ كَانَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جَالِسا، وَأَن جَابِراً سَأَلَهُ عَن ذَلِك، فَقَالَ: إِنِّي مَرَرْت بقبرين يعذبان، فَأَحْبَبْت بشفاعتي أَن يرفع عَنْهُمَا مَا دَامَ الغصنان رطبين.

الثَّالِث: لم يذكر فِي قصَّة جَابر مَا كَانَ السَّبَب فِي عذابهما.

الرَّابِع: لم يذكر فِيهِ كلمة الترجي، فَدلَّ ذَلِك كُله على أَنَّهمَا قضيتان مُخْتَلِفَتَانِ، بل روى ابْن حبَان فِي صَحِيحه عَن أبي هُرَيْرَة: (أَنه صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مر بِقَبْر فَوقف عَلَيْهِ فَقَالَ: ائْتُونِي بجريدتين فَجعل إِحْدَاهمَا عِنْد رَأسه، وَالْأُخْرَى عِنْد رجلَيْهِ) فَهَذَا بِظَاهِرِهِ يدل على أَن هَذِه قَضِيَّة ثَالِثَة، فَسقط بِهَذَا كَلَام من ادّعى أَن الْقَضِيَّة وَاحِدَة، كَمَا مَال إِلَيْهِ النَّوَوِيّ والقرطبي)).

"علامہ عینی نے حدیث جریدہ کی شرح اور اس کے فوائد حدیثیہ بیان کرکے (الاسئلہ والا جوبۃ) کی سرخی سے چند سوالات کرکے ان کے جوابات دیے ہیں۔ منجملہ ان سوالوں کے ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے متن میں ثمَّ دَعَا بجريدة فَكَسرهَا كسرتين ہے۔ یعنی ایک جریدہ لائے اور اس کے دو ٹکرے کئے اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جسے مسلم نے روایت کیا، یہ ہے کہ خود جابر ہی نے اس کے دو ٹکرے کیے تو یہ ایک ہی واقعہ ہے یا دو واقعے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو قضیئے ہیں اور دو واقعہ ہونے کی چار دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل: یہ ہے کہ اس حدیث کا واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے اور اس وقت اقدس ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی اور حضرت جابر کا واقعہ سفر کا ہے۔ حضور اقدس ﷺ قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تھے اور فقط حضرت جابر ساتھ ہولیے تھے۔ دوسری دلیل: یہ ہے کہ متن والے واقعہ میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس شاخ کو دو آدھا کرکے دونوں قبروں پر گاڑ دیا جیسا کہ باب آئندہ میں بروایت اعمش مصرح ہے اور جابر والی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دو درختوں سے دو شاخ لیا جس سے پردہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کیا تھا پھر جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دونوں شاخوں کو داہنے بائیں ڈال دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت جابر نے حضور سے سوال کیا تب

حضور نے فرمایا کہ میں دو قبروں پر گزرا، دیکھ کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے تو میں نے دوست رکھا کہ میری سفارش سے ان دونوں شخصوں پر سے عذاب اٹھا دیا جائے جب تک وہ دونوں تر و تازہ رہیں۔ تیسری دلیل: دلیل مغائرت اور ان کے دو واقعہ ہونے کی یہ ہے کہ حضرت جابر کے قصہ میں عذاب کا سبب نہیں بیان فرمایا۔ چوتھی دلیل: یہ ہے کہ اس حدیث میں کلمہ ترجی مذکور نہیں تو یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ دو واقعے علیحدہ علیحدہ ہیں بلکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے پس فرمایا کہ کھجور کی دو شاخ لاؤ۔ جب آئی تو ایک کو حضور نے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں رکھا تو یہ حدیث اپنے ظاہر لفظوں سے دلالت کرتی ہے کہ یہ تیسرا واقعہ ہے تو اس سے ساقط ہو گیا کلام اس شخص کا جس نے دعویٰ کیا کہ یہ ایک واقعہ ہے جیسا کہ اس طرف علامہ نووی اور علامہ قرطبی مائل ہوئے۔"

تو اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شہدائے احد کی قبروں کی زیارت اور وہاں جا کر سلام کرنا، دعا کرنا، نماز پڑھنا وغیرہ بارہا بلکہ بکرات و مرات ثابت ہے، اسی طرح قبر پر جریدہ رکھنے کا واقعہ بھی ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ بارہا دو دو، تین تین مرتبہ ہوا۔ خود آپ نے کیا، آپ کے حکم سے صحابہ کرام نے کیا، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

رہا یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لیے کیا طریقہ برتا گیا اور کس طریقہ سے حضور کو ایصال ثواب کیا گیا۔

حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہٗ (جن کا جامع علوم ظاہری و باطنی ہونا، ان کی تصنیفات شرح آداب المریدین، مکتوبات صدی و مکتوبات دو صدی و مکتوبات بست و ہشت و ملفوظات معدن المعانی و مخ المعانی و خوان پر نعمت وغیرہ سے ظاہر و باہر ہے) کے ملفوظات مسمیٰ بہ مخ المعانی مطبوعہ مفید عام

آگرہ ۱۳۲۱ھ مجلس سی و نہم ص ۱۱۱ میں ہے: ذکریٰ در نقل و عرس حضرت رسالت ﷺ میں بحوالہ تفسیر زاہدی بعد بیان واقعات دفن مذکور و مسطور ہے:

"وبعد از نقل میان صحابہ اختلاف در امر خلافت افتاد کہ خلیفہ رسول خدا کہ باشد۔ مہاجرے می گفت از مہاجران باشد وانصاری می گفت کہ از انصاریاں باشد۔ بعضے صلح می انگیختند کہ یکے مہاجر باشد و دیگر انصاری۔ دریں اختلاف نہ روز گزشت وایں نہ روز نہ حرم بودند۔ ہر یکے ہر روز طعامے بنام رسول علیہ السلام چنانچہ موجود بود، کردند و در حرم رسول چنداں اسباب از کجا بودے کہ طعام چنداں کردندے کہ بہمہ رسیدے۔ الغرض بعد از نہم روز صحابہ ہر یکے استدلال بریں یک چیز کردند کہ درآنچہ حضرت رسالت زحمت غالب شد از سبب ملال زحمت نتوانستند کہ در مسجد حاضر شوند وبوجود حضرت رسالت کرا مجال بودے کہ امامت کردے وچوں وقت نماز درآمد، بلال بخدمت حضرت رسالت ﷺ اشارت فرمود کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رابگوئے تاامامت کند۔ بلال ایں فرمان باامیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسانید، ایشاں امامت کردند۔ ہمبریں صحابہ استدلال کردند کہ پیغامبر خدا امر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رادر نماز کہ یکے از ارکان دین ست، امام فرمود وبریں کار امین گردانید وخلیفہ خود گردانید کہ امامت نماز فرمود، پس جائیکہ درکار دین اورا امام گردانید وامین داشت درکار دنیا بر طریق اولیٰ امام ما باشد۔ بدیں بیا سود قرار گرفت واجماع منعقد شد بر خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ بعدہ خلافت بر ایشان متعین شد۔ پس دو روز بعد از نقل اختلاف در دفن گزشت ونہ روز دریں اختلاف گزشت، جملہ یازدہ روز گزشت ودوازدہم بعد آنکہ اختلاف خلاف برخاست وابو بکر صدیق متعین گشت، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بروح رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام طعام ساختند وطعام آن مقدار ساختند کہ تمام اہل مدینہ رابس کردہ شود۔ در مدینہ افتاد امر وز چیست؟ گفتند:

((الیوم عرس رسول اللہ ﷺ, الیوم عرس رسول اللہ ﷺ)). یعنی امروز عرس رسول خدا است و در دواز دہم عرش مشہور شد۔“

”حضور کے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کے درمیان خلافت کے بارے میں اختلاف پڑ گیا یعنی یہ کہ رسولِ خدا کا خلیفہ کون ہو؟ مہاجرین کہتے تھے کہ مہاجروں میں سے ہونا چاہیے اور انصار کہتے تھے کہ انصاریوں میں سے ہونا چاہیے اور بعض صلح پیدا کرنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک مہاجر اور دوسرا انصاری ہونا چاہیے۔ اس اختلاف میں نو دن گذر گئے۔ ان نو دنوں میں حضور کی نو بیویاں تھیں جن میں سے ہر ایک ہر روز جو کچھ کہ موجود ہوتا، اس میں سے ایک کھانا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے کرتی تھیں، حرم رسول میں اتنے اسباب کہاں تھے کہ اتنا کھانا کرتے جو سبھی تک پہنچ سکتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ نویں روز کے بعد صحابہ میں سے ہر ایک نے اس ایک چیز پر استدلال کیا کہ جس چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زحمت غالب ہوتی، اس کے بارے میں بسبب رنج وملال اتنی زحمت نہ کر سکے کہ مسجد میں حاضر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کس کی مجال تھی کہ امامت کرتا اور جب نماز کا وقت آ گیا، جناب بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ حضرت بلال نے یہ فرمان امیر المومنین ابو بکر صدیق تک پہونچایا، انہوں نے امامت کی۔ اسی بنا پر صحابہ نے استدلال کیا کہ پیغمبر خدا نے دین کے رکنوں میں اسے ایک رکن یعنی نماز میں خاص کر ابو بکر صدیق کو امام بنایا ہے اور اس کام کا امانت دار شمار کیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا حتیٰ کہ جناب صدیق نے نماز کی امامت فرمائی۔ لہٰذا جبکہ دین کے کام میں ان کو امام مقرر کیا اور امین بنایا، دنیا کے کام میں بہتر طور پر ہمارے امام ہوں گے۔ اسی بنا پر یہ بات طے ہو گئی اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہو گیا

جس کے بعد خلافت ان کے حوالہ کر دی گئی پھر دو روز اختلاف خلافت اٹھ جانے کے بعد دفن کرنے میں گذر گئے اور نو روز اختلافِ خلافت میں گزرے، مجموعی طور پر گیارہ روز گزرے اور بارہویں روز بعد اس بات کے کہ خلافت کا اختلاف اٹھ چکا تھا اور ابو بکر صدیق خلیفہ مقرر ہو چکے تھے، جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی پاکیزہ روح کے لیے اتنا کھانا تیار کیا جو تمام اہل مدینہ کو کافی ہو مدینہ میں یہ شور اٹھا کہ آج کیا ہے؟ لوگوں نے کہنا شروع کیا آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے، آج رسول خدا کا عرس ہے اور بارہویں دن عرس مشہور ہو گیا"۔

حضرت مخدوم الملک قدس سرہٗ العزیز کی اس عبارت اور صاحب تفسیر زاہدی کی صراحت سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایصال ثواب ازواج مطہرات نے کیا اور نہ فقط ایک مرتبہ بلکہ نو ازواج نے نو مرتبہ کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ وجانشین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایصال ثواب و عرس لیا اور اس مقدار سے کھانا پکوایا کہ تمام اہلِ مدینہ کے لیے کافی ہوا اور نہ فقط اسی زمانہ میں ہو کر رہ گیا بلکہ اس کے بعد بھی صحابۂ عظام و مشائخ کرام و علمائے فخام بلکہ جملہ اہل اسلام برابر طرح طرح سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے رہے اور اب تک کرتے ہیں۔

علامہ شامی ردالمختار، جلد اول، ص ۸۴۵ میں ابن تیمیہ کے اس خیال کا (کہ رسول ﷺ کے لیے اہدائے ثواب ناجائز ہے) رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((وقد بالغ السبكي وغيره في الرد عليه، بأن مثل ذلك لا يحتاج لإذن خاص؛ ألا ترى أن ابن عمر كان يعتمر عنه ﷺ عمراً بعد موته من غير وصية. وحج ابن الموفق وهو في طبقة الجنيد عنه سبعين حجة، وختم ابن السراج عنه ﷺ أكثر من عشرة آلاف ختمة؛ وضحى عنه مثل ذلك)).

"علامہ تقی الدین سبکی وغیرہ نے ابن تیمیہ کے رد میں بہت مبالغہ کیا کہ اس قسم کی بات میں خاص اذان کی ضرورت نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضور کے وصال کے بعد مدت العمر بے وصیت برابر عمرہ کرتے رہے، حضرت ابن موفق نے جو حضرت جنید کے طبقہ میں ہیں، حضور کی طرف سے ستر حج کیا، ابن سراج نے حضور کی طرف سے دس ہزار مرتبہ سے زیادہ قرآن شریف ختم کیا اور اسی قدر حضور کی طرف سے قربانی کیا۔"

بلکہ آج تک دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی فاتحہ کرتا ہے تو پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے الگ فاتحہ کرتا ہے پھر امت کو حضور کا طفیلی بناکر بطفیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایصال کرتا ہے تو حضور کے لیے ہر روز کتنے فاتحے ہوا کرتے ہیں۔ ان کے اعداد وشمار کوئی نہیں بتاسکتا اور یہ طریقہ بزرگانِ دین اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ مجدد کی مکتوبات جلد سوم مکتوب بست وہشتم، ص ۵۵ میں ہے:

"باید کہ ہر گاہ صدقہ بمیت نیت بکند، اول باید کہ بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہدیہ سازد وبعد ازاں بمیت تصدق کند کہ حضور آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فوق حقوق دیگراں ست ونیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ ست بطفیل آن سرور علیہ وآلہ الصلوات والتحیات وایں فقیر در بعضے صدقات موتی کہ در تصحیح نیت خود را عاجزمی یابد، علاجے بہ ازیں نمی یابد کہ آں صدقہ را بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام تعین نماید۔ آن میت را طفیلی ایشاں سازد، امید ست کہ ببرکت توسط ایشاں قبول افتد"۔

"چاہیے کہ جب میت کے لیے صدقہ کی نیت کرے تو پہلے آں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کرکے ہدیہ کرے۔ اس کے بعد میت کے صدقہ کی نیت کرے۔ کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق

سے بلند ترین ہیں اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اس طرح پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں صدقہ قبول ہو جانے کی امید ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقوں میں جب اپنی نیت کے صحیح کرنے میں خود کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو آن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مخصوص کر دے اور جس مردے کے لیے نیت کرنا تھا، اس کو ان کا طفیلی بنا دے کیونکہ توسط کی برکت سے قبول ہو جانے کی امید ہے"۔

اور مسلمانوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا رواج و دستور، وہ کیا ہے ایصال ثواب ہی تو ہے۔ نیز اذان سن کر ((اللّٰهم رب هٰذه الدعوة التامه، الخ)) پڑھنا تو عام مسلمانوں میں اس قدر کثرت سے رائج ہے کہ شاید ہی کوئی نماز مسلمان اس سے غفلت کرتا ہو۔ یہ تو دن رات میں پانچ دفعہ ہر مسلمان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایصال ثواب ہے جو زمانہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے الیٰ یومنا ہذا جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک جاری رہے گا۔

((اللهم صل على سيدنا ومولانا محمد كلما ذكره الذاكرون وكلما غفل عن ذكره الغافلون, وصل على جميع الأنبياء والمرسلين والملائكة المقربين والعباد الصالحين وعلينا معهم أجمعين إلى يوم الدين)).

سوال نمبر 4:

فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصال ثواب کا لکھا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا تو وہ کیا ہے اور خود حضرت امام اعظم و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت اس کی منقول ہے یا نہیں معہ حوالہ کتاب و عدد صفحہ پوری عبارت لکھئے۔

امید ہے کہ ان سوالوں کے مفصل جوابات جلد سے جلد مرحمت ہوں گے۔
اخی الاعظم مولانا عبید اللہ صاحب المجہری مدظلہ، حبی الاکرم مولانا ظفر الدین صاحب، حبی الاکرم مولانا اصغر حسین صاحب، حبی الاکرم مولانا عبد السجان صاحب، حبی الاکرم مولانا دیانت حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، خصوصیت کے ساتھ ان سوالوں کی طرف توجہ فرمائیں اور ان کے علاوہ ہر ہر مدرس مدرسہ سے بادب استدعا ہے:(بيِّنوا تُؤجروا وأجركم على من بيده أزمة التوفيق, وهو نعم المولى ونعم الرفيق).(المستدعي تمنا العمادي المجيبي الفلواروي بهلواري شريف, ضلع بتنة). ۲۰/اگست ۱۹۳۵ء۔

جواب سوال چہارم:

امام اعظم کا فرزند ارجمند اور امام ابو یوسف کو ایصال ثواب کی وصیت:

ایصال ثواب کا طریقہ خود امام الائمہ، سراج الامہ نے اپنی صاحبزادے کو بتایا، اپنے شاگرد رشید کو بتایا۔ وہ ایسی بہترین ترکیب ہے کہ اسی پر اگر سب حنفی حضرات عمل کیا کریں تو کافی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے کو بیس باتوں کی وصیت فرمائی تھی جن میں ہر ایک آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور ہر حنفی کے عمل کے لائق ہے۔ اس وصیت نامہ کو شیخ احمد ضیاء الدین مصطفیٰ کمشخانوی نقشبندی مجددی خالدی نے اپنی کتاب:(جامع الأصول في الأولياء وأنواعهم). میں درج فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۵۳۔ یہ کتاب مطبع دارا الکتب العربیۃ الکبریٰ مصری میں ۱۳۳۱ھ میں چھپی ہے۔ یہ وہ وصایا جن کے بارے میں امام صاحب تحریر فرماتے ہیں:

((يا بني أرشدك الله وأيّدك، أوصيك بوصايا إن حفظتَها وحافظتَ عليها رجوتُ لك السعادة في دينك إن شاء الله تعالى)). ”اے میرے بیٹے! خدا تجھ کو راہ دکھائے اور تیرے لئے دینی سعادت کی امید کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ“۔

اسی وصیت نامہ میں ہے:((والثالث عشر أن تواظب على قراءة القرآن كل يوم وتهدي ثوابها إلى الرسول ﷺ ووالديك واستاذك وسائر المسلمين)). ''تیرھویں بات یہ ہے کہ ہر روز قرآن شریف کی تلاوت پر مواظبت (پابندی) کرو اور اس کا ثواب رسول اللہ ﷺ اور اپنے والدین اور اپنے استاذ اور تمام مسلمانوں کو ہدیہ کرو۔''

اور جو وصیت نامہ اپنے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، اسے علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے اخیر میں درج کیا ہے۔ یہ وصیت نامہ بہت طویل ہے:((وَاذْكُرْ الْمَوْتَ وَاسْتَغْفِرْ لِلْأُسْتَاذِ وَمَنْ أَخَذْتَ عَنْهُمْ الْعِلْمَ وَدَاوِمْ عَلَى التِّلَاوَةِ وَأَكْثِرْ مِنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ وَالْمَشَايِخِ وَالْمَوَاضِعِ الْمُبَارَكَةِ. الأشباه والنظائر ص 654)). ''ہمیشہ موت کو یاد کیا کرو اور اپنے استاذ اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے ان کی مغفرت کی دعا کرو اور قرآن شریف کی تلاوت کیا کرو اور بکثرت قبروں کی زیارت کیا کرو اور مشائخ کی زیارت کرو اور مقدس و متبرک مقامات کی زیارت کو جایا کرو۔''

فقہ کی کتابیں تو ایصال ثواب کے طریقوں سے بھری ہیں، جن میں سے بعض بعض عبارتیں اوپر گزریں اور تطویل کے خوف سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہ دیکھی اور جب خود امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نہ فقط تصریح بلکہ اپنے صاحبزادے کو تاکیدی حکم، شاگرد کو ہدایت موجود تو اگر بالفرض فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو، جب بھی مضائقہ نہیں کہ:((لا عطر بعد عروس)).

خداوند عالم کا ہزار شکر ہے کہ مسئلہ ایصال ثواب کے متعلق چاروں سوالوں کے جواب سے فراغت ہوئی اور آیات قرآنیہ کے ارشادات، نصوص نبویہ کے افادات، علمائے کرام کی تصریحات نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ میت کے لئے ایصال ثواب کے طریقے خود قرآن شریف سے ثابت، احادیث

سے ثابت، علمائے کرام کی عبارات سے ثابت، خود حضور اقدس ﷺ کے فعل مبارک سے ثابت، خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت، دیگر صحابہ کرام کے معمول سے ثابت، علمائے عظام کے دستور تعامل سے ثابت۔ عام مسلمانوں کے مراسم ورواج سے ثابت، تمام اہل سنت کا اس پر اجماع واتفاق ہے۔

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے:

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر زبردست روشنی ڈالی ہے۔ معتزلہ کے دلائل کا ذکر کرکے ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں۔

شرح عقائد نسفی ص۱۰۷ میں ہے:((وفي دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم(أي صدقة الأحياء)عنهم (أي عن الأموات) نفع لهم (أي: للأموات خلافاً للمعتزلة تمسكاً بأن القضاء لا يتبدل, وكل نفس مرهونة بما كسبت والمرء مجزى بعمله لا بعمل غيره, ولنا ما روي في الصحاح من الدعاء للأموات خصوصاً في صلاة الجنازة، وقد توارث له السلف فلو لم يكن للأموات نفع فيه لما كان له معنى، وقال عليه الصلاة والسلام: «مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ مِائَةً، كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ». وعن سعد بن عبادة أنه قال: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ، فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «الْمَاءُ». قَالَ: فَحَفَرَ بِئْرًا، وَقَالَ: هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ. وقال عليه الصلاة والسلام: «إِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْبَلَاءَ». «وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ». وقال عليه السلام: «إن العالم والمتعلم إذا مرا على قرية فإن الله يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوماً». والأحاديث والآثار في هذا الباب أكثر من أن تحصى)).

”مردوں کے لئے زندوں کے دعا کرنے اور مردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ دینے میں مردوں کا نفع ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ اہل سنت کے خلاف

ہیں۔ ان کے نزدیک زندوں کا عمل مردوں کے لئے بالکل بے اثر غیر مفید ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قضابدلی نہیں جاتی اور ہر نفس اپنی کمائی کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر آدمی کو اس کے عمل کی جزا ملے گی، نہ دوسرے کے عمل کی اور ہماری دلیلیں وہ صحیح حدیثیں ہیں جن میں مردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے، خصوصاً نماز جنازہ پڑھنے کے کوئی معنی نہ تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس مردہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت جن کی تعداد سو ہو نماز پڑھے اور ہر ایک اس مردہ کی شفاعت کرے تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہو گی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا تو کون سا صدقہ ان کے لے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔ بس انہوں نے کنوا کھدوایا اور کہا کہ یہ ام سعد کی طرف سے صدقہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دعا بلا کو ٹالتی ہے اور صدقہ خدا کے غضب کو بجھاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: عالم اور طالب علم جب کسی بستی میں گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس بستی کے گورستان پر سے چالیس دن عذاب اٹھالیتا ہے اور اس بارے میں آثار اور حدیثیں حد شمار سے باہر ہیں۔"

اس جگہ کسی خاص صورت کے متعلق یہ شبہ عام خیالوں میں گزر سکتا ہے کہ اگر یہ کار خیر باعث اجر و ثواب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام وغیرہ ہم تم سے پہلے کئے ہوتے، اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ دین دار تھے، جس کی قدرے جھلک ان سوالوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اب اس قسم کے شبہات و توہمات کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ شبہ نہ صرف قرن اول بلکہ خلفائے راشدین بلکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کے وقت پیدا ہو کر صاف و صریح جواب سے دفع ہو چکا ہے جو نہ صرف ہائی کورٹ کی نظیر بلکہ پریوی کی نسل کی نظیر کی طرح ہے جو کسی کے اٹھائے نہیں اٹھا سکتی۔

امام بخاری صحیح بخاری جلد دوم باب جمع القرآن میں فرماتے ہیں:((عن زید بن ثابت قال: قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ اليَمَامَةِ وَعِنْدَهُ عُمَرُ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي، فَقَالَ: إِنَّ القَتْلَ قَدْ اسْتَحَرَّ يَوْمَ اليَمَامَةِ بِالنَّاسِ، وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ القَتْلُ بِالقُرَّاءِ فِي المَوَاطِنِ، فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ القُرْآنِ إِلَّا أَنْ تَجْمَعُوهُ، وَإِنِّي لَأَرَى أَنْ تَجْمَعَ القُرْآنَ"، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: قُلْتُ لِعُمَرَ: «كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟» فَقَالَ عُمَرُ: هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي فِيهِ حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ لِذَلِكَ صَدْرِي، وَرَأَيْتُ الَّذِي رَأَى عُمَرُ، قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: وَعُمَرُ عِنْدَهُ جَالِسٌ لاَ يَتَكَلَّمُ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ، وَلاَ نَتَّهِمُكَ، «كُنْتَ تَكْتُبُ الوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»، فَتَتَبَّعِ القُرْآنَ فَاجْمَعْهُ، فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَّفَنِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ القُرْآنِ، قُلْتُ: «كَيْفَ تَفْعَلاَنِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟» فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ، فَلَمْ أَزَلْ أُرَاجِعُهُ حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ اللَّهُ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَقُمْتُ فَتَتَبَّعْتُ القُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالأَكْتَافِ، وَالعُسُبِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ، حَتَّى وَجَدْتُ مِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ خُزَيْمَةَ الأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ﴾ [التوبة: 128] إِلَى آخِرِهِمَا، وَكَانَتِ الصُّحُفُ الَّتِي جُمِعَ فِيهَا القُرْآنُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ، ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ، ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ". (رواه أبو داود الطيالسي وابن سعد والإمام أحمد في مسنده والمديني والترمذي والنسائي وابن جرير وابن أبي داود في المصاحف وابن المنذر وابن حبان والطبراني في الكبير والبيهقي في شعب الإيمان. كنز العمال جلد أول ص 279)).

"جب جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جناب امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یونہی لڑائیوں میں حافظ شہید ہوتے گئے تو بہت سا حصہ قرآن شریف کا جاتا رہے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا یارسول اللہ ﷺ نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیوں نکر کروگے؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس بارے میں بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر کی رائے سے موافق ہوگئ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید کو بلا کر قرآن شریف جمع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم جوان عقلمند شخص ہو، ہم تم کو متہم نہیں جانتے اور تم رسول اللہ ﷺ کے وقت میں قرآن شریف لکھا کرتے تھے، تم قرآن شریف کو تلاش کرو اور جمع کرو حضرت زید کہتے ہیں: بخدا! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا گراں اور دشوار نہ ہوتا جس قدر کہ ان کا یہ حکم قرآن شریف کا جمع کرنا مجھے شاق گزرا۔ میں نے کہا: آپ دونوں کس طرح وہ کام کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا، حضرت ابو بکر نے فرمایا، بخدا وہ کام بہتر ہے۔ پھر ہمیشہ مجھ سے ابو بکر بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن شریف تلاش کرنا شروع کیا اور اس کو جمع کرنے لگا کھجور کی شاخ اور باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اور آخر سورہ توبہ یعنی (لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ) آخر تک کو فقط ابو خزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے سوا اور کہیں نہ ملا تو یہ قرآن شریف

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دیدی پھر تا زندگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے وصال کے بعد حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رہا"۔

اس واقعہ اور اس حدیث نے مسلمانوں کے لیے ایک شاہراہ عام کھولدی کہ کسی کام کے کرنے کے لیے اس امر کو نہ دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے یا نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ کام کیسا ہے؟ کار خیر ہے یا شر، اگر کار خیر ہے؟ اگرچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام و تابعین عظام نے نہیں کیا ہو تب بھی کرنا چاہیے۔ اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ جمع قرآن شریف اس کی پہلی مثال ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موقع پر یہ دیکھتے ہیں کہ قرون ثلثہ میں ہوا یا نہیں؟ لیکن جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا تو پچھلے زمانہ میں ہو گا۔ ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے۔ بلکہ یہی جواب فرمایا گیا کہ اگرچہ حضور نے نہیں کیا، پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے۔ پس کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن شریف باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ مخالفین جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں کوئی بات خلاف شرع نہ ثابت کر سکے تو جمع قرآن کی بدعت کا الزام دھرا۔ افسوس کہ جو اعتراض مخالفین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کرتے تھے، آج وہ اعتراض سنی حضرات خود اپنے ہم مذہب و ہم مشرب سنیوں پر کرتے ہیں"۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری، جلد۹، ص۹، باب جمع القرآن میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:((وقد تسول لبعض الروافض أنه يتوجه الاعتراض على أبي بكر بما فعله من جمع القرآن في المصحف فقال: كيف جاز أن يفعل شيئاً لم يفعله الرسول عليه أفضل الصلاة والسلام؟

والجواب أنه لم يفعل ذلك إلا بطريق الاجتهاد السائغ الناشئ عن النصح منه لله ولرسوله ولكتابه ولأئمة المسلمين وعامتهم)). "رافضیوں کو شیطان نے بہکایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمع قرآن کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر انہیں جائز ہوا کہ وہ ایسا کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ فعل اپنے اجتہاد سے کیا جس کا منشا اللہ ورسول کی کتاب، امت اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے"۔

اسی میں ہے: ((وإذا تأمل المنصف ما فعله أبو بكر من ذلك جزم بأنه يعد في فضائله وينوه بعظيم منقبته لثبوت قولهﷺ: من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها. فما جمع القرآن أحد بعده إلا وكان له مثل أجره إلى يوم القيامة)).

"اور جب انصاف پسند شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کام میں تامل کرے گا تو یقین کرے گا کہ یہ فعل ان کا ان کے فضائل وکمالات میں شمار کرنے کے قابل ہے اور ان کے عظیم الشان منقبت وتعریف کی خبر دیتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو شخص جاری کرے کوئی اچھا کام ت اس شخص کے لیے اس کام کا اجر ہے اور ان لوگوں کا اجر جو اس کام کو کریں گے تو آپ کے بعد جتنے لوگ قرآن شریف جمع کریں گے، لکھیں گے، اس کا اجر وثواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"

چونکہ اس قسم کا شبہ طریقت، شریعت، عقائد، اصول سب میں ہو سکتا ہے۔ اسی لیے ہر فن والوں نے اس شبہ کی دفع کی طرف توجہ کی اور اپنی کتابوں میں اس شبہ کا جواب لکھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی القول الجمیل میں طریقہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے اور ادواشغال ذکر کر کے فرماتے ہیں:((ولا تظنن أن النسبة لا تحصل

إلا بهذه الأشغال, بل هذه طرق لتحصيلها من غير حصر فيها, وغالب الرأي عندي أن الصحابة والتابعين كانوا يحصلون السكينة بطرق أخرى(إلى قوله) وهذا المعنى هو المتوارث عن رسول الله ﷺ من طريق مشائخنا لا شك في ذلك, وإن اختلفت الألوان واختلفت طرق تحصيلها)).

مولوی خرم علی صاحب بلہوری اس کے ترجمہ شفاء العلیل میں اس پوری عبارت کا ترجمہ اور مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کا فائدہ بیان کر کے لکھتے ہیں:

''مترجم کہتا ہے کہ حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیۂ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں، وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طریق اس کے تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیۂ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بہ سبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متاخرین کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حجت ہوئی جیسے صحابہ کرام کو قرآن وحدیث کے فہم میں قواعد صرف ونحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (القول الجمیل مع ترجمہ شفاء العلیل، ص ۹۰)

مترجم صاحب حضور خورشید رسالت پر حاشیہ لکھتے ہیں: ”اس کی مثال ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے، ہر چیز پڑھ لے سکتا ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہو گیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کے لیے۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کے لیے نہ تھی۔ فقط ایک نظر ڈالنے سے جمال باکمال پر وہ کچھ حاصل ہوتا تھا، اب چلوّں میں وہ حاصل نہیں ہوتا اور اب چونکہ وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکہ حضور کے حاصل کرنے کے لیے“۔

اسی میں ص ۱۴۱ پر مولانا حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیئات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کیے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہیے یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیۂ نہ سمجھنا چاہیے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔“

جناب شاہ ولی اللہ صاحب وجناب شاہ عبد العزیز صاحب ومترجم صاحب کی ان تمام عبارتوں کو پیش نظر رکھنے والا بآسانی اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ جب تک آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، ایصال ثواب کے لیے کسی خاص طریقے کی حاجت نہ تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فقط نماز پڑھا دینا ہی گنہگار کی نجات کے لیے کافی تھا: ((کما یدل علیه حدیث: إن هذه القبور مملوة ظلمة وأنا أنورها بصلاتي علیها)). یہ قبریں تاریکی سے بھری ہیں اور میں نماز پڑھ کر ان کو منور کرتا ہوں“۔

لیکن جب آفتاب رسالت غروب کر گیا تو طرح طرح کی ترکیب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لیے علما و مشائخ نے قرآن وحدیث سے اخذ کر کے ایصال ثواب کے طریقے نکالے جس سے دفع سیئات و رفع درجات ہوا۔ اس پر

اعتراض دانشمندی کا ثبوت دینا اور اکابر اولیائے کرام خصوصاً جناب شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کو مورد اعتراض وہدف ملامت بنانا ہے۔ اس قسم کے شبہ کا رد نہ صرف صوفیائے کرام ہی نے کیا بلکہ جن علمائے کرام نے عقائد میں کتابیں لکھیں، انہوں نے بھی اس شبہ واہیہ کا رد کیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:((وقد كان الأوائل من الصحابة والتابعين رضوان الله عليهم أجمعين لصفاء عقائدهم ببركة صحبة النبي عليه السلام وقرب العهد بزمانه، ولقلة الوقائع والاختلافات، وتمكنهم من المراجعة إلى الثقات، مستغنين عن تدوين العلمين وترتيبهما أبواباً وفصولاً، وتقرير مباحثهما فروعاً وأصولاً إلى أن حدثت الفتن بين المسلمين)). الخ(شرح عقائد، ص۳)۔ "سلف صالحین، صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی اکرم ﷺ کی صحبت اور قرب زمانہ رسالت کی برکت سے اور واقعات واختلافات کے کم ہونے اور ثقہ لوگوں کی طرف مراجعت کا موقع پانے کی وجہ سے ان دونوں علموں کے جمع کرنے اور ان کو باب وفصل میں ترتیب دینے اور مقاصد کو فروع واصول پر مقرر کرنے سے مستغنی تھے۔ یہاں تک مسلمانوں میں فتنے پیدا ہوئے اور ائمہ دین سے بغاوت اور رایوں کا اختلاف اور بدعت وخواہش نفسانی کی طرف میلان ظاہر ہوا اور فتاویٰ و واقعات زیادہ ہوئے اور مہم اور مشکل باتوں میں علماء کی طرف رجوع کرنے لگے، تب علما نظر واستدلال اور اجتہاد واستنباط کی طرف متوجہ ہوئے"۔

علامہ سعد الدین تفتازانی کی غرض اس عبارت سے اسی شبہ واہیہ کا استیصال ہے جیسا کہ اس کے محشیوں نے تصریح کی۔

علامہ حسن شہید حاشیہ شرح عقائد، ص۶ میں لکھتے ہیں: ((قوله: قد كانت إلى آخره. دفع لما يوهم كون ذلك العلم مردوداً وحراماً لئلا يحجم الشارع عن شروعه, وكان ماسبق تمهيداً له, حاصله أن الأبحاث الكلامية بدعة لعدم

اشتغال الأوائل بها وإلا لنقل إلينا لتوفر دواعيه كما نقل اشتغالهم بالمسائل الفقهية, وكل بدعة رد بخبره عليه الصلاة والسلام, وحاصل الدفع إن أريد عدم اشتغالهم بها مطلقاً فهو باطل؛ لأن الآيات على إثبات الصانع وصفاته وإثبات النبوة والرد على المنكرين أكثر من أن يحصى, فكيف يمكن أن يقال إنهم لم يخوضوا في هذه الأدلة , وإن أريد عدم اشتغالهم بها تدوينها وعلى تقرير مقاصدها فروعاً وأصولاً كما اشتغلنا نحن فمسلم لكن هي في هذا الأمر كالفقد وليس لكونها مردودة بل لما ذكره من صفاء إلى آخره, فاشتغلنا بالفقه. انتہی)).

''شارح کا یہ قول ''قد کانت ،الخ'' جواب اس وہم کا ہے جو متوہم ہوتا ہے کہ یہ علم مردود حرام ہے۔ یہ دفع اس لیے ہے کہ شروع کرنے والا شروع کرنے سے باز نہ رہے اور گزشتہ مضمون اسی کی تمہید ہے۔ خلاصہ اعتراض ووہم کا یہ ہے کہ ابحاث کلامیہ بدعت ہیں۔ اس لیے کہ سلف صالحین اس کی طرف مشغول نہ ہوئے ورنہ ضرور ہم تک منقول ہوتا، کیونکہ اس نقل و روایت کے دواعی کثیر ہیں۔ جس طرح ان کا فقہ کے ساتھ مشغول ہونا منقول ہوا اور جب وہ مشغول نہ ہوئے تو بدعت ہوا اور ہر بدعت بحکم حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلاۃ والتحیۃ مردود ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عدم مشغولی سے مراد مطلقاً عدم مشغولی ہے تو یہ بالکل باطل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت کے اثبات اور منکرین کے رد کی آیتیں حد شمار سے باہر ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ سلف صالحین نے ان آیات میں غور وخوض نہ کیا اور اگر یہ مراد ہے کہ علم وفن مدون نہ کیا، اصول وفروع معین نہ کیا، جس طرح ہم لوگ اس کے ساتھ مشغول ہیں تو بیشک یہ مسلم ہے مگر یہ عدم مشغولی اس وجہ سے نہیں کہ یہ علم مردود ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو شارح علیہ الرحمۃ نے ذکر کی کہ صفائے عقائد کی وجہ سے ان کو اس کی

ضرورت ہی نہ تھی تو ہم لوگوں کا اس علم کے ساتھ مشغول ہونا بدعت حسنہ ہے جس طرح فقہ کے ساتھ مشغول ہونا"۔

علامہ خیالی اسی مضمون کو نہایت ہی نفیس قال ودل طریقے سے بیان کرتے ہیں: ((وقد كانت الأوائل تمهيد لبيان الشرف وغاية مع الإشارة إلى دفع ما يقال من أن تدوين هذا العلم لم يكن في عهد النبي عليه السلام ولا في عهد الصحابة والتابعين, ولو كان له شرف وعاقبة حميدة لما أهملوه)). "مصنف کا قول وقد كانت الأوائل، الخ اس علم کے شرف اور فضیلت کی تمہید اور اس کی غایت کا بیان اور اس اعتراض کے دفع کے طرف اشارہ ہے کہ علم کلام کی تدوین نہ زمانہ رسالت میں ہوئی، نہ عہد صحابہ وتابعین میں۔ تو اگر اس علم میں کوئی خوبی ہوتی اور اس کا انجام محمود ہوتا تو سلف صالحین ہر گز اس کو چھوڑ نہ دیتے"۔ (خیالی، ص۹)

اسی طرح مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی شرح مسلم الثبوت میں منطق کے متعلق اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، ص۳۱: ((ويعلم أن النظر قد يقع فيه الخطأ من جهة الصورة وقد يقع من جهة المادة, فلا بد من عاصمه عن الخطأ, والعقل الكامل عاصم عن الخطأ بحسب الفطرة السليمة, ولا يحتاج في العصمة إلى المنطق أصلاً كما هو للصحابة ومن تبعهم, إذ ببركة صحبة النبي ﷺ وقرب نزول الوحي كانت عقولهم كاملة غير مشوبة بالوهم, وأذهانهم كانت قوية, وقرائحهم جيدة, وأما أمثالنا فلبعد زماننا عن زمان النبي صلى الله عليه وسلم وظهور الفسق والفساد وكثرة المشاجرات والاختلافات محتاجون في العصمة عن الخطأ من جهة الصورة إلى المنطق ومن جهة المادة إلى مباحث الأمور العامة والجواهر والأعراض, فوجب لنا هذه العلوم بعد وجوب النظر أيضاً. انتهى)).

”جاننا چاہیے کہ نظر میں کبھی غلطی صورت کی جہت سے واقع ہوتی ہے اور کبھی مادہ کے جہت سے تو ایسے علم کی ضرورت ہوئی جو خطا سے بچائے اور عقل کامل باعتبار فطرت سلیمہ خطا سے بچانے والی ہے اور ایسے شخص کو منطق کی اصلاً ضرورت نہیں جیسے صحابہ و تابعین تھے۔ اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کی صحبت اور نزول وحی سے قرب زمانہ کی برکت سے ان کی عقلیں کامل تھیں، آمیزش وہم سے مبرا تھیں اور ان کی اذہان قوی تھے اور طبیعتیں جید تھیں لیکن ہم جیسے لوگ تو زمانہ نبی ﷺ سے دوری، فسق وفسادات کے ظہور، مشاجرات واختلافات کی کثرت کی وجہ سے خطا سے بچنے کے لیے صورت کے اعتبار سے منطق اور مادہ کے اعتبار سے مباحث امور عامہ، جواہر واعراض کے محتاج ہیں تو ہمارے لیے وجوب نظر کے بعد بھی ان علوم کی ضرورت ہے اور ان علوم کا جاننا واجب ہے“۔

بالجملہ ہر علم وفن والے علماء زمانہ رسالت اور صحابہ وتابعین کے لیے بوجہ آفتاب رسالت و قرب عہد بابرکت شرف ومزیت مانتے ہیں کہ جو باتیں ان کو بے کسب ومحنت حاصل ہوتی تھیں، ان کے لیے ہم لوگوں کو مجاہدہ وریاضت سعی ومشقت کرنی ہوگی۔ یہ خیال خام ہے کہ جب انہوں نے نہ کیا تو ہم کو کرنا ناروا ہوگا بلکہ بوجہ بعد زمانہ خیر وبرکت عہد رسالت ریاضت ومحنت اور اوضاع واطوار میں تاحد اجازت شرع جدت کرنی ہوگی اور یہ سب جائز وکار خیر مطابق شرع شریف ہی سمجھا جائے گا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم، ص ۷ لکھتے ہیں: ”اشغال مناسبہ ہر وقت وریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشند ولہذا محققان ہر وقت ازاکابر ہر طرق و در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند۔ بناء علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست، تعیین کردہ شود۔“

دیکھئے جو لوگ بدعت پر سخت دارو گیر کرتے ہیں، وہ بھی نئے نئے طریقے اور اوداشغال کے نکالنے اور ان اشغال جدیدہ کو درج کتاب کرکے دوسروں کو ان نئے نئے طریقوں پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان نئی نئی باتوں پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ طریقے شرعا جائز ہوتے تو تم سے پہلے صحابہ ضرور کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب باتوں کا ضرور حکم دیتے، یہ سب اوہام وخیالات ہیں۔ شیطان کی ایک زبردست چال یہ ہے کہ نہی عن المنکر کے پردہ میں عمل بالمعروف سے روکتا ہے:(ولا يغرنكم بالله الغرور). خداوندا! اپنے حبیب پاک، صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے شرع کے موافق جائز کاموں کی توفیق دے اور ممنوعات ومنہیات شرعیہ سے بچا۔ آمین ثم آمین.

قصد تھا کہ ان چاروں سوالوں کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کردیئے جائیں مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کا تاریخی نام:(نصرة الأصحاب بأقسام إيصال الثواب).(۱۳۵۴ھ) رکھا جائے۔ خداوندا! اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل وتصنیفات کی طرح قبول فرما اور مجھ کو اور میرے سب دینی بھائیوں کو اس سے فائدہ پہونچا:((وما ذلك على الله بعزيز, وهو حسبي ونعم الوكيل, وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وابنه وحزبه أجمعين, وآخر دعوانا إن الحمد لله رب العالمين.

قاله بفمه ورقمه بقلمه الفقير ظفر الدين القادري الرضوي, غفر له وحقق أمله لثمانٍ خلون من جمادي الأخرى 1354 الهجري)).

مناجات

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیِ دیدارِ حسنِ مصطفٰے کا ساتھ ہو

یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
اُن کے پیارے منھ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر
سیّدِ بے سایہ کے ظلِّ لِوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
ان تبسم ریز ہونٹوں کی دُعا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب حسابِ خندۂ بیجا رُلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مُرتجٰے کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری بے باکیاں
اُن کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہ پلِ صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
رَبِّ سَلِّم کہنے والے غمزدا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جو دُعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لب سے آمیں رَبَّنَا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضا خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفٰے کا ساتھ ہو